ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 08
اگست 2025ء

اسماعیل ہنیہ شہید
شہادت گہہِ الفت کا مسافر

اسرائیل کو کلین چٹ دینے والے ایک ہی صف میں کھڑے تھے عرب و عجم

فلسطینی زندگی نشانے پر
غزہ کنسنٹریشن کیمپ کام جاری

غزہ آباد ہوگا، فلسطین آزاد ہوگا
ابوعبیدہ

یوسف الزق:

قید میں پیدا ہوئے اور شہادت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے

غزہ شہر کے وسط میں واقع شارع الثورہ پر ایک رہائشی عمارت پر اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں یوسف الزق شہید ہو گئے، وہی یوسف، جو دنیا کے ''سب سے کم عمر اسیر'' مانے جاتے تھے۔

قید میں جنم لینے والے یوسف: یوسف الزق 2008 میں اسرائیلی جیل میں پیدا ہوئے۔ اِن کی والدہ فاطمہ الزق 2007 میں اس وقت گرفتار ہوئیں جب وہ علاج کے لیے غزہ سے باہر جا رہی تھیں، اور اس وقت وہ یوسف کے ساتھ حاملہ تھیں۔

جیل کے اندر ماں اور بیٹے کی جدوجہد فاطمہ نے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں شدید اذیتوں اور طبی غفلت کے درمیان یوسف کو جنم دیا۔ وہ دو سال تک جیل میں ہی اس کی پرورش کرتی رہیں، بغیر مناسب خوراک، علاج اور آرام دہ ماحول کے۔ فاطمہ کو ہتھکڑیوں میں قید رکھا جاتا اور یوسف بار بار بیمار ہوتا رہا، مگر کسی قسم کی طبی سہولت میسر نہ تھی۔

آزادی کا لمحہ 2008 میں ایک قیدی تبادلہ معاہدے کے تحت فاطمہ اور یوسف کو رہا کیا گیا۔ اس ڈیل میں 19 فلسطینی خواتین کو رہا کیا گیا، جن کے بدلے حماس نے اسرائیلی فوجی گیلا دشالیت کی ویڈیو فراہم کی۔
یوسف، جو قید میں پیدا ہوا تھا، آج ایک آزاد فلسطینی کی حیثیت سے شہادت کے رتبے پر فائز ہو گیا۔ اس کی کہانی ظلم کے خلاف استقامت، ماں کی قربانی اور فلسطینی قوم کی ناقابل تسخیر روح کی علامت بن چکی ہے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

اللہ تعالیٰ یوسف الزق کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کی والدہ فاطمہ الزق کو صبر جمیل دے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 11 شمارہ 08 اگست 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

اسماعیل ہنیہ شہید
شہادت گہہِ الفت کا مسافر

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70
پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

غزہ کنسنٹریشن کیمپ کام جاری

غزہ میں جنگ بندی ہوئی تو بھی زیادہ نہیں چلے گی

ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ

غزہ آباد ہوگا، فلسطین آزاد ہوگا: ابوعبیدہ

- غزہ: عالم اسلام ماتم بھی کرے تو کس سے؟
- غزہ جنگ میں بین الاقوامی کمپنیوں کا شرمناک کردار
- فلسطینی خون کے خریدار دنیا بھر میں ہیں
- فلسطین کیلئے 41 سال قید کاٹنے والا مسیحی!!
- جبالیہ کے گھرانے کی کہانی، یوسف کی زبانی
- خون کے عطیات ہار رہے ہیں باہمی تعلق نہیں

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا

کلامِ اقبال

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
گزر گیا اب وہ دورِ ساقی کہ چُھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا خار زار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قُدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِکم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیاں بنے گا ناپائیدار ہوگا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنو گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اداریہ

اسرائیل کے لیے کلین چِٹ

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی نجی سوشل سائٹ سوشل ٹروتھ پر ان کا یہ بیان شائع کیا گیا ہے کہ حماس غزہ سے مکمل دستبردار ہو جائے، ہتھیار پھینک دے، اسلحہ فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دے، یرغمالی رہا کر دے تو غزہ کی انسانی امداد جاری کر دی جائے گی۔ یہ بیان ان کے اسرائیل کے لیے نمائندے سکیورٹی وٹکوف کی چھ ماہ میں پہلی بار آمد پر جاری کیا گیا ہے۔اس کی ایک اہمیت یہ ہے کہ نیویارک کانفرنس کا ڈیکلریشن ایک دو دن کے فرق سے پہلے سامنے آیا ہے۔ یہ ڈیکلریشن اس اعتبار سے نہایت منفرد نوعیت کا حامل ہے کہ تاریخ میں پہلی بار یہودیت، صیہونیت، مسیحیت اور عالم اسلام (اسلام نہیں) ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔عرب لیگ کے تمام، یورپی یونین کے جملہ اور مزید 17 ممالک بہ شمول ترکی اس نیویارک ڈیکلریشن کے انگوٹھا چھاپ توثیق کنندگان کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ان سب نے بھی حماس سے کم و بیش وہی مطالبات کیے ہیں جو صدر ٹرمپ نے کیے ہیں۔یہی نکات امریکہ کے بجائے برطانیہ کے لیے حاصل کرنے والے نظریاتی راہ نمائی کا دعویٰ کرنے والے وزیر اعظم برطانیہ کیئر سٹارمر نے کیے ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل کے مطالبات یا فائر بندی کی پیشگی شرائط بھی یہی ہیں۔ نیویارک ڈیکلریشن، امریکہ، برطانیہ، فرانس، سپین، عرب لیگ اور یورپی یونین سب کے سب اسرائیل کا مؤقف دھرا رہے ہیں اور توتا کہانی اپنی اپنی باری پر سنا اور دھرا رہے ہیں۔صدر ٹرمپ کا بہرحال یہ اعزاز ضرور بنتا ہے کہ انہوں نے سیاسی اور سفارتی امور کو تجارت کے ترازو میں رکھ دیا ہے۔انہوں نے دوٹوک الفاظ میں غزہ کے مسلمانوں کی نیلامی کا اعلان یہ کہہ کر کیا ہے کہ حماس کو نکالو تو غزہ کے لیے خوراک لے لو۔اس پر مستزاد یہ کہ مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ سینکڑوں نوجوانوں کو تربیت دے رہے ہیں جو بہت جلد حماس کی جگہ لے گی۔ اس پر سونے پہ سہاگہ یہ ہوا ہے کہ امریکہ نے فلسطینی اتھارٹی کے حکام پر پابندیاں عائد کر دی ہیں جب کہ اتھارٹی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس کے سربراہ بہت جلد شاہی بگھی میں سوار ہو کر فاتحانہ شان سے غزہ کا دورہ کریں گے۔

اگر ہم اس ساری جوڑ توڑ سے کچھ دیر کے لیے الگ ہو کر غزہ کے زمینی حالات دیکھیں تو پہلی حقیقت یہ ہے کہ بھوک نے (30 جولائی تک) غزہ کی 154 جانیں لے لی ہیں۔ان میں 89 بچے اور شیر خوار بھی شامل ہیں۔طبی ماہرین کہہ رہے ہیں کہ غزہ میں مائیں کمزور و ناتواں نوزائیدگان کو جنم دے رہی ہیں۔ بھوک سے اموات کا سلسلہ جاری ہے۔اوپر جو صورت حال بیان کی گئی ہے، اس سے قطع نظر روزانہ 28 بچے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔اہل غزہ عالم اسلام کے مسلمانوں کو یوم حشر کو مؤرد الزام ٹھہرانے کا اعلان بین الاقوامی سوشل پلیٹ فارمز پر بار بار کر رہے ہیں۔خوراک فاؤنڈیشن کے مراکز پر اب بھی (31 جولائی) کو 34 فلسطینی اسرائیلی قابض فوج کی گولیوں کا نشانہ بن گئے ہیں۔اب تک ان واقعات میں شہید ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار کی سرکاری گنتی کے مطابق ہو چکی ہے۔ اگر دنیا کو یہ انتظار ہے کہ کس وقت فائر بندی ہو تو ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیامین نیتن یاہو نے تازہ بیان میں کہا ہے کہ جنگ جاری رہے گی۔

اگر کچھ دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ حماس سربسجود ہو جائے، فلسطینی اتھارٹی کو ہتھیار دے دے، اسرائیلی یرغمالی رہا کر دے، غزہ سے اس کی قیادت نکل جائے تو اسرائیل کے پاس جواز باقی نہیں رہے گا کہ وہ جنگ جاری رکھے۔غزہ کے لوگ سکون کی حالت میں آ جائیں گے، تو یہ خام خیال ہے۔ یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ یہ بے پناہ خیالی ہے۔حماس سب کچھ تسلیم بھی کر لے تو ہر جارحانہ قدم کوئی اور اٹھائے گا اور الزام حماس پر ہی آئے گا۔ یہ پھر کیسی مذاکراتی میز پر ہے جس کے ایک فریق سے کہا جا رہا ہے کہ نظر ہی نہ آئے، اس کے دکھائی دیے جانے سے امن نہیں ہو سکتا۔دوسرا فریق مکمل مسلح ہی نہ ہو، کھلم کھلا حملے کر رہا ہو۔اگر بائیس ماہ کی شدید بمباری، گولہ باری اور فائرنگ کے بعد بھی معاملہ جوں کا توں ہے تو آئندہ کون سی بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے حالات کی نہج اور رفتار پر غور کیا جائے تو نیویارک ڈیکلریشن کی بنیاد ہی مشکوک ہے۔اس کا آغاز اس دلیل سے ہوتا ہے کہ سات اکتوبر 2023ء کو حماس کے راکٹ حملوں سے 1200 اسرائیلی مارے گئے، اب تک اس کا کوئی آزاد ذریعہ تصدیق بھی نہیں کر سکا اور نہ ہی اسرائیل، امریکہ یا ان کے عرب و یورپی اتحادیوں نے ہی کوئی ثبوت پیش کیا۔حماس کے کسی فرد کو پیش تک نہیں کیا جا سکا کہ حملہ کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھا۔اسرائیل تو ایسے ثبوت فراہم کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔جس ڈیکلریشن کی بنیاد ہی جھوٹ پر استوار کی گئی ہے، وہ کس طرح کھڑا رہ سکتا ہے؟

ایک طرف حماس سے بالواسطہ اور بلاواسطہ مذاکرات کا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے، ٹائمز آف اسرائیل ہو یا کوئی اور ذریعہ ابلاغ ہو، ہر کسی کی نوک قلم پر حماس سے مذاکرات کا حوالہ موجود ہے۔ پھر یہ مطالبات چہ معنی وارد؟ ان مذاکرات کا انتظار تو کیا جائے، اگر یہ کسی بھی سطح پر ہو رہے ہیں۔ایک طرف ٹی وی چینلز پکار رہے ہیں کہ حماس ہتھیار ڈال دے گی، غزہ خالی کر دے گی اور دوسری طرف کہا جا رہا ہے کہ ابھی مذاکرات ہو رہے ہیں۔ گویا کہ:

کچھ تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اصل معاملہ یہ ہے کہ صدر ٹرمپ کے ''ساحلی تفریح گاہ'' کے منصوبے سے پہلے تک اسرائیل کے پاس کوئی منصوبہ تھا کہ حماس سے غزہ خالی کرائیں گے، پھر کیا ہوگا؟ اسی ایک بات پر جنوری سے جون 2024ء تک نیتن یاہو کی نام نہاد جنگی کابینہ میں ٹھنی رہی۔شین بیت، اسرائیلی آرمی چیف اور پھر وزیر دفاع سب فارغ ہوئے اور منصوبہ پھر بھی نہ طے ہو سکا۔ یہ بات سامنے آتی رہی کہ کوئی منصوبہ تھا ہی نہیں۔ فقط غزہ تباہ کرنے کا منصوبہ بنتا گیا اور اس پر عمل ہوتا گیا۔

غزہ خوراک فاؤنڈیشن کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ اسرائیل کے جرنیلوں نے منصوبہ تشکیل دیا۔ ساٹھ فیصد آبادی کو خوراک دینے کا فیصلہ ہوا اور چالیس فیصد کو غزہ بدر کرنے کا منصوبہ بنا۔ رضاکارانہ ہجرت کو غزہ کے عوام نے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا، بھوک، پیاس، بیماری، ننگ، موت سب برداشت کر لیا لیکن زمین نہ چھوڑی۔اب بھی کیفیت یہی ہے۔اب بھی تیاریاں یہی ہیں کہ غزہ والوں کو غزہ سے نکال باہر کیا جائے۔

خوراک دینے والوں نے گولیوں کی بوچھاڑ دی۔ روزانہ فلسطینی اپنے بلکتے تڑپتے بچوں کے لیے خوراک لینے جاتے ہیں اور لاشیں لے کر واپس آتے ہیں۔ اب ایک نیا عنصر غزہ میں غذائی امداد کے عنوان سے داخل کر دیا گیا ہے۔ کہنے کو غزہ کی مکمل ناکہ بندی ہے۔ نیتن یاہو نے گزشتہ دنوں بڑے طنز سے کہا کہ کوئی ناکہ بندی نہیں ہے، کوئی جانا چاہے تو کسی بھی وقت جا سکتا ہے، لیکن کیا کریں کہ کوئی جا کے نہیں دے رہا ہے۔ اسی غزہ میں دیکھا گیا کہ 29 اور 30 جولائی سے درجنوں غذائی امداد سے بھرے ٹرک داخل ہوئے ان پر مسلح افراد سوار تھے۔ لوگ نہ سمجھ سکے۔ یہ ٹرک خوراک ضرور لائے لیکن مفت تقسیم کے لیے ہرگز نہیں لائے گئے۔ یہ بلفر ادنام کے ٹرک برائے تجارت لائے گئے۔ لانے والوں کو بخوبی علم ہے کہ غزہ میں روٹی کی قیمت سو گنا سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اب اپنے ہی مال کو نئے نام اور نئی سکیورٹی کے ساتھ لایا گیا ہے۔

اسی ڈرامے کا ایک ڈراپ سین یہ ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ خوراک فاؤنڈیشن کے کام کی نگرانی اب امریکہ نہیں کرے گا۔ یہ نگرانی اب براہ راست اسرائیل کرے گا۔ گویا نئے لیبل کے ساتھ پرانی شراب بیچنے کا ارادہ ہے۔ گویا امریکہ نے شکست تسلیم کر لی۔ کام تو اسرائیل کا ہو رہا تھا، بدنام امریکہ ہو رہا تھا۔ امریکہ نے اس بدنامی سے سردست خود کو الگ کرنے کا اعلان کر دیا۔ گویا اہل غزہ کی فاقہ کشی اتنا رنگ تو لائی کہ ایک بڑا فریق دم توڑ گیا ہے۔ یہی ہے وہ پس منظر جس میں ٹرمپ کا یہ بیان سامنے آیا کہ انسانی امداد بحال ہو سکتی ہے بشرطیکہ امریکہ کی اس شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا جائے۔ حماس منظر سے ہٹ جائے۔ کیا ایسے بھی کوئی منظر سے کبھی ہٹا ہے؟ یہی جواب عرب لیگ، یورپی یونین اور 17 دیگر ممالک کے لیے ہے۔ اصل جواب تو حماس کے ذمے ہے۔

اسی تسلسل میں تین ممالک کا معاملہ بھی بہت تکلیف دہ ہوتا جا رہا ہے۔ محمد بن سلمان، محمد بن زید اور امیر قطر نے غزہ کی جگہ ساحلی تفریح گاہ میں تین ''گرینڈ منصوبوں'' میں ساجھے داری کا وعدہ لیا ہے۔ کسی کے حصے میں شاہراہیں، کسی کے پاس رئیل اسٹیٹ اور ایلون مسک کے پاس صنعتی معاملات رکھے گئے ہیں۔ ایلون مسلک کا معاملہ تو وہی ہوگا جو ٹرمپ اور ان کے ساحلی شہر کا سوچا جا رہا ہے۔ اصل در پردہ بات ان منصوبوں سے ہٹ کر ہے۔

اصحابِ نظر کو یاد ہوگا، اور مختصراً یاد کرا دیا جائے تو 2006ء کو دیکھنا ہوگا۔ تب حماس غزہ کے منظر پر جمہوری اوصاف کے ساتھ ابھری تھی۔ ان عرب ممالک کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑتی رہی ہیں۔ لیکن یہ بہت خطرناک نتیجہ ہے جو غزہ کے 60 ہزار شہداء، 10 ہزار گم شدہ اور ایک لاکھ 50 ہزار سے زیادہ زخمیوں کی قربانی سے اس سرد مہری نے وصول کیا ہے۔ اس کا ذریعہ اسرائیل بنا ہے اور امریکہ و یورپ کے ایندھن نے آگ سلگائے رکھی ہے۔ ان سب کو بہت بڑی زک اٹھانی پڑی ہے لیکن قیمت وصول کرنے والوں کو بھی علم تو ہوگا کہ وقت بڑا ظالم ہے۔ ان ممالک کے عوام بے درد نہیں ہیں۔ ان کے تن و من بھی اہل اسلام کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ وہ بنیامین نیتن یاہو یا جو بائیڈن اور ڈونلڈ ٹرمپ کے ساتھ نہیں دھڑکتے۔ یہ خون کہیں تو چمکے گا۔

سب سے صد افسوس امر یہ ہے کہ خالص اسلامی لہر کو دبانے کے لیے بھی خالص اسلامی قوت ہی استعمال ہو گئی ہے۔ اپنے ہی اغیار کے لیے کام آئے ہیں۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ مغرب اور اسلام کے درمیان کا معرکہ ایک ہو کر صرف اسلامی لہر کے خلاف ہو گیا ہے۔ اب اسی غزہ کی قبر پر نیا محل تعمیر کرنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔

ایک اور عنصر دو ریاستی فارمولے کے عنوان سے بڑی شد و مد سے داخل کیا جا رہا ہے۔ اس وقت یورپ و ایشیا اور افریقہ و آسٹریلیا میں غزہ اور فلسطین سے ہونے والے ظلم پر آزاد عوام سراپا احتجاج ہیں۔ کل تک جو احتجاج امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دوسری مہذب اقوام کے تعلیمی اداروں میں تھا، وہ اب انہی ممالک کی سڑکوں پر نکل آیا ہے۔ یہ احتجاج اس قدر شدید ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی ہٹ گئی ہے۔ اس کے اثرات یوں بھی مرتب ہو رہے ہیں کہ ان جدید تہذیبوں کی سڑکوں پر اعلان ہو رہا ہے کہ اسلام مظلوم ہے کیوں کہ فلسطینی مظلوم ہے۔ زیادہ تر خواتین میں قبول اسلام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس صورت حال کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اب دو ریاستی حل کے نام پر نئی بوتل میں پرانی شراب انڈیلی جا رہی ہے۔ دو ریاستی حل سرے سے کوئی حل نہیں ہے۔ اسے نمایاں ہی اس لیے کیا جا رہا ہے کہ ان ملکوں کے عوام کو دینے کے لیے ان حکومتوں کے پاس کوئی جواب باقی رہا ہی نہیں ہے۔

ایک بات کا ذکر درمیان میں رہ گیا کہ فلسطین دشمن قوتیں یہ پروپیگنڈہ کر رہی ہیں کہ سارا معاملہ سات اکتوبر 2023ء سے شروع ہوا۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ معاملہ تو 75 سال سے بھی پرانا ہے۔ اسرائیل کا دہشت گرد وزیر اعظم بن گوریان 1938ء میں آن ریکارڈ ہے کہ وہ اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہہ چکا کہ ہم دہشت گرد ہیں، ہم فلسطین پر قبضہ کرنے آئے ہیں، ہماری حیثیت یہی ہے اور ہم اسی طرح ہی قابض ہو سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ تو صدی کا قصہ ہے، برس دو برس کی بات نہیں ہے۔

برطانیہ کے وزیر اعظم کیئر سٹارمر نے بڑے پتے کی بات گزشتہ دنوں کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ صورت حال ہماری پیدا کردہ ہے، اس لیے دو ریاستی حل کا اعلان ستمبر میں کیا جائے گا۔ انہوں نے بھی کم و بیش وہی باتیں کی ہیں جو ڈونلڈ ٹرمپ، نیویارک ڈیکلریشن، سپین، کینیڈا، آئرلینڈ نے کی ہیں۔ انہوں نے دو ریاستی حل کی بات کی ہے۔ یہ اسرائیل کو تسلیم کرانے کی حکمت عملی ہے۔

ابراہام معاہدوں کا ڈول ٹرمپ نے اپنے سابقہ دور اقتدار میں ڈالا تھا۔ ان کا مقصد اسرائیل کو تسلیم کرانا تھا۔ حماس کا جرم یہ ہے کہ اس نے سات اکتوبر 2023ء کو اسی سازش کو بے نقاب کیا تھا۔ اس سے پرائے تو سخت ناراض ہوئے ہی تھے، بحرین، قطر، امارات، سعودیہ اور بہت سے اور اپنے بھی ناراض ہوئے تھے۔ آج کل یہ سودا پھر کچھ ذہنوں میں سمایا ہوا ہے۔

اب حل یہ ہے کہ سفارتی موشگافیوں، مذاکراتی چالاکیوں اور میزائیلوں کے بجائے سیدھا راستہ اختیار کیا جائے۔ رفاہ کی راہداری امدادی قافلوں کے لیے کھولی جائے۔ مستقل جنگ بندی کی جائے، خوراک فاؤنڈیشن اور اسرائیلی فوج کو غزہ سے رخصت کیا جائے۔ ان سے آغاز کیا جائے۔ مذاکرات میں دھمکی اور دھونس کا خاتمہ کیا جائے۔ غزہ میں ساحلی تفریح گاہ کے منصوبے ترک کیے جائیں، تب بھی کوئی مستقل حل سامنے آ سکے گا جس کی کامیابی غزہ کی تعمیر نو، بین الاقوامی عدالت کے فیصلوں پر عمل درآمد سے ہی مل سکے گی۔

آخری بات، نیویارک ڈیکلریشن، ڈونلڈ ٹرمپ، کیئر سٹارمر اور سب نے اسرائیل کو کلین چٹ دی ہے۔ اس چٹ پر حقیقت حال بھی لکھ دی جاتی تو شاید انصاف کا راستہ نظر آ جاتا۔ جہاں انصاف نہ ہو وہاں ظلم ہی ہوتا ہے اور ہو رہا ہے۔

دامن خیال: مرزا محمد الیاس

غزہ کنسنٹریشن کیمپ کام جاری

فلسطینی زندگی نشانے پر

اسرائیل کے غزہ پر حملوں میں وقفہ یا ان کا اختتام کبھی نہیں ہوگا۔ یہ ایک کثیر ملکی منصوبہ ہے جس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، کینیڈا اور اسرائیل سرگرم عمل ہیں۔ ان ممالک میں حکومتوں کی تبدیلی اس منصوبے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

غزہ میں چھ ماہ کی عارضی جنگ بندی کی اسرائیلی تجاویز بہت غور وخوض کے بعد تیار ہوئی ہیں۔ حماس کا کہنا ہے کہ چھ ماہ کی جنگ بندی کی تجاویز کے بجائے مستقل جنگ بندی ہونی چاہیے۔ اسرائیل غزہ میں ہمیشہ قابض رہنا چاہتا ہے۔ اس نے اس مقصد کے لیے مغرب کے ممالک، امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ ساتھ سعودی عرب، قطر اور متحدہ عرب امارات کو بھی تیار کیا ہے۔

اس وقت غزہ کے ایک حصے کو باقی غزہ سے بالکل الگ تھلگ کر کے کنسنٹریشن کیمپ پر کام جاری ہے۔ روزانہ فلسطینی زندگی پر حملہ ایک مقصد کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اس کیمپ میں کم از کم 5 لاکھ فلسطینیوں کو غیر معینہ مدت کے لیے رکھا جائے گا۔ اس کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟ غزہ خوراک فاؤنڈیشن کا مستقبل کا کردار کیا ہوگا؟

ان سوالات کے جواب سے عرب ممالک بھی اچھی طرح آگاہ ہیں۔ ٹرمپ حکومت بھی سب کچھ جانتی ہے۔ غزہ میں بہت سے ادارے، گروپ اور تھنک ٹینک کام کر رہے ہیں۔ لندن اور واشنگٹن میں ان اداروں نے اپنی پلاننگ مکمل کر لی ہے۔

حماس کا کہنا ہے کہ اس پلاننگ میں جس حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، وہ غزہ کے بے در، بے گھر اور بھوکے پیاسے لوگوں کا کردار ہے۔ وہ غزہ سے دستبردار ہونے کے لیے کسی صورت تیار نہیں ہے۔ ابھی تک ان ممالک کے نام طے نہیں ہو سکے، جہاں کم وبیش غزہ کے 5 لاکھ شہری منتقل کرنے کا پروگرام ہے۔

نوبل انعام برائے امن کے لیے ٹرمپ کو نامزد کرتے ہوئے واشنگٹن کے حالیہ دورے پر نیتن یاہو کا چہرہ تمتا رہا تھا۔ (یاد رہے کہ پہلے پاکستان ٹرمپ کو اسی انعام کے لیے نامزد کر چکا تھا)۔ اسرائیل کے وزیر اعظم کی حیثیت سے اس نامزدگی کی وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ صدر امریکہ مشرق وسطیٰ میں جنگیں ختم کرانے کا مشن لے کر آئے تھے (پاکستان کی طرف سے کہا گیا تھا کہ صدر امریکہ پاک بھارت جنگ رکوانے کی وجہ سے اس نامزدگی کے حق دار ٹھہرے)۔ نیتن یاہو کے کہنے کے پس پردہ حقیقت یہ تھی کہ ٹرمپ ان کے اشتعال دلانے پر اسرائیل ایران جنگ کا حصہ بن گئے تھے۔ اس کے ساتھ وہ قتل عام

کے سرگرم حصہ دار بھی بن گئے۔ جو یک دم ختم ہوتے ہوتے شدت اختیار کر گیا تھا۔نیتن یاہو کو بے چینی سے یہ انتظار بھی تھا کہ صدر امریکہ انہیں کسی نئے سیز فائر پر زبردستی مجبور نہیں کریں گے۔شاید قطر میں (اس وقت) جاری مذاکرات کسی عارضی ڈیل تک پہنچ جاتے، اسرائیلی یرغمالی رہائی پاتے اور اسرائیل کو مزید امریکی امداد بھی مل پاتی۔ جو بھی تھا بہتوں کو یہ توقع پیدا ہو چلی تھی کہ بالآخر دیر پا امن نتیجہ کے طور پر قائم ہو سکے گا۔

الفاظ اہم ہوتے ہیں۔ الفاظ اور ان کی سچائی باہم اس قدر دور اور جدا جدا ہیں کہ یہ فاصلہ اسرائیل کی طرف سے غزہ پر مسلط کردہ جنگ میں بہت نمایاں نظر آ رہا ہے۔ یہاں الفاظ بے ہودہ، حقیر اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے غزہ کو ''انسانی شہر'' بنانے کے منصوبے بیان کیے ہیں۔ان کا سیدھا اور واضح پیغام یہ ہے کہ وہ غزہ کے ہر فلسطینی کو ایک بڑے کیمپ کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔جس میں ایک بار وہ داخل ہو اور پھر فوج اسے زندہ باہر نہ نکلنے دے۔ ہولوکاسٹ کے ایک مؤرخ پروفیسر ایموس گولڈ برگ نے اس کے لیے موزوں ترین الفاظ استعمال کیے ہیں: ''یہ ایک بڑا کنسنٹریشن کیمپ ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں فلسطینیوں کو غزہ سے یا عرف عام میں فلسطین سے بے دخل کرنے کا عارضی راستہ ہوگا۔'' اسرائیل کاتز کا کہنا ہے کہ یہ باہر کی جانب ہجرت کا منصوبہ ہوگا۔ان منصوبوں کو اسرائیلی اخبار ہارٹز نے شائع کیا ہے۔ یہ درحقیقت غزہ سے فلسطینیوں کی ''نسلی صفائی'' کا منصوبہ ہوگا۔ یہاں سے نکلنا رضا کارانہ نہیں ہوگا۔اگر کسی فلسطینی کو یہ طریقہ قبول نہیں ہوگا تو اسے غزہ کے اندر بھوک، پیاس اور بیماری سے موت کو گلے لگانا ہوگا۔اس کے لیے حالات ہر اعتبار سے غیر انسانی بنا دیے جائیں گے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک سیاسی شطرنج کا نمونہ ہوگا۔بعض کہتے ہیں: شاید اسرائیل نے ابھی ان ملکوں کا طے کرنا ہے جو نکالے گئے فلسطینیوں کو قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسرائیل کے حکمران انتہا پسند اتحاد کے دوسرے پارٹنرز نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔نیتن یاہو ان کو اعتماد میں لینا چاہیں گے۔لیکن ایسا کرنے کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ کرنا باقی ہے اور کچھ بھی آسان نہیں ہے۔ یہ سب بہت باعث تشویش معاملہ ہے۔

ماضی میں ایسے نظریات کو غیر حقیقت پسندانہ اور غیر شعوری قرار دیا جا چکا ہے۔اس کے باوجود وہ حقیقت بنائے گئے۔ اب تک ''خوراک کی انسانی بنیاد پر'' خوراک فاؤنڈیشن کے ذریعے فلسطینیوں کے لیے ایک ایسا جال ثابت ہوئی ہے جس میں وہ خوراک لینے جاتے ہیں۔ سپاہیوں نے صحافیوں کو بتایا ہے کہ انہیں کہا گیا ہے کہ نہتے فلسطینیوں کو گولیوں سے بھون ڈالیں۔ وہ کسی قسم کا خطرہ بھی ثابت نہیں ہو رہے۔(اسرائیلی حکومت کہتی ہے کہ ایسا کہنے والے فوجیوں پر جھوٹ بولنے کا مقدمہ چلایا جا سکتا ہے)۔اسرائیلی فوج کا کہنا ہے کہ وہ ہلاکتوں کی تعداد کم کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن دسیوں ہزاروں مارے جانے والوں میں زیادہ تعداد بچوں اور عورتوں کی ہے۔ اسرائیلی فوج اب تک صحت کے کارکنوں کو سینکڑوں کی تعداد میں ہلاک کر چکی ہے۔ یہ بھی ایک جنگی جرم ہے۔

الفاظ اہم ہوتے ہیں۔غزہ میں فلسطینی نسل کشی کا معاملہ جنوبی افریقہ بین الاقوامی عدالت انصاف میں لے گیا تو کئی ممالک نے اس تفصیل سے اختلاف کیا جو جنوبی افریقہ نے پیش کی تھی۔اب بہت کم ایسا کر رہے ہیں۔اس کا قانونی راستہ بہت پیچیدہ ہے۔نسلی صفائی کے کنونشن پر دستخط کرنے والوں کو ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ اسے روکنا چاہتے ہیں۔امریکہ نے گزشتہ عشرے میں چار مرتبہ ایسا نسلی صفائی کے بارے میں خود کیا ہے۔فلسطینیوں کو تباہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان سے زندہ رہنے کے اسباب چھین لیے جائیں، غزہ کی آبادی کو وہاں سے ہٹانے کے منصوبے بنائے جائیں اور اس کی سرے سے تباہی کو مقصد ٹھہرا لیا جائے، ایسا کرتے ہوئے صرف یہ کہ جابرانہ طریقے ہی استعمال نہ کیے جائیں جن کا مقصد اور نیت انہیں یکسر تباہ و برباد کرنا ہو، مکمل طور پر یا حصہ حصہ کر کے کرنا، ان کا قومی، نسلی، لسانی یا مذہبی گروہ کے طور پر خاتمہ کرنا ہو، یہ سب ہی اقوام متحدہ کے کنونشن برائے نسلی صفائی کی تفصیلات ہیں۔

اسرائیل خوف پھیلا رہا ہے کہ وہ تباہ کر دے گا، ساتھ دینے والوں کو پورا مفاد دے گا، برطانیہ بھی ان میں شامل ہے۔لیڈروں کو حقائق کا سامنا کرنا ہوگا۔ یورپی یونین کے وزراء اگلے ہفتے اسرائیل کے ساتھ ایک گروپ کے طور پر تجارت بند کرنے پر غور کریں گے (یہ اجلاس ہو چکا ہے۔اسرائیل نے تجارت بچانے کے لیے مصر اور اردن کے راستے نہایت محدود امداد کی راہداری دینے کا اعلان کیا ہے۔ یہ محض اعلان ہے)۔انہیں اپنے اقدامات سے ثابت کرنا ہوگا۔ اگر ٹرمپ نوبل انعام کے معاملے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو انہیں اقدامات کرنا ہوں گے جن سے غزہ میں امن آئے، ریویریا کے منصوبے ترک کرنا ہوں گے۔ایسا ہونا فی الحال ممکن نہیں ہے۔

(ارڈین کے مذکورہ نوٹس کے بعد ہم مختلف تجزیہ نگاروں اور مبصرین کے خیالات پیش کریں گے۔ان سے براہ راست کا اتفاق یا اختلاف ممکن ہے۔مدیر)۔

جنگی جرائم پر اصرار۔ایما گراھم واٹسن

تاریخ اشاعت ۔8 جولائی 2025ء

رفاہ کی تباہی کے مزار پر نظر بندی کیمپ کی تشکیل ممکن نہیں ہے۔ یہ نا قابل عمل ہے، اخلاقی اعتبار سے محرومی کا اعلان ہے، لیکن اس پر سنجیدگی سے غور ضروری ہے۔

اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے تباہ حال رفاہ میں نظر بندی کیمپ کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ یہ ایسے اشتعال زدہ ذہن کی اختراع ہے جو جنگی جرائم سے ہرگز کم نہیں ہے۔اسرائیل کے سیاسی بیانیے کا حصہ ہے۔ یہ فلسطینیوں کو بے دخل کرنے کے آپریشنل پروگرام کا تسلسل ہے۔

غزہ میں نسلی صفائی کا تذکرہ اسرائیل کے قانون دان اور کابینہ کے وزیر اپنے بیانات میں کرتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ 17 اکتوبر 2023ء کو اسرائیلی سرحد کے اندر حماس کے حملوں کے وقت سے جاری ہے۔ان بیانات میں فلسطینیوں کو غزہ سے دوسرے ممالک جبری بے دخل کرنا بھی شامل ہے۔غزہ کو نئی یہودی بستی میں تبدیل کرنا ان کے منصوبوں کا حصہ ہے۔

تاہم کاتز وہ پہلا سینئر وزیر ہے جس نے باقاعدہ منصوبوں کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے اسرائیلی میڈیا کے سامنے بریفنگ میں یہ منصوبے پیش کیے ہیں۔ان میں غزہ کے بڑے حصے سے تمام فلسطینیوں کو نکالنا شامل ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ انہوں نے فوج کو ایک ''انسانی شہر'' بسانے کے احکامات جاری کیے ہیں۔ وہاں ان فلسطینیوں کو رکھا جائے گا جنہیں کہیں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

کاتز نے کہا ہے کہ کچھ آبادی دوسرے ملکوں میں منتقل کر دی جائے گی۔اسرائیلی حکام نے اسے رضا کارانہ ہجرت قرار دیا ہے۔لیکن غزہ کے داخلی حالات بتا رہے ہیں کہ کسی بھی طرح سے اتفاق رائے سے قانونی طور پر بے دخلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے وکلاء اسے ناممکن قرار دے رہے ہیں۔

اسرائیل کے انسانی حقوق کے معروف وکلاء میں مائیکل صفارد ایک نمایاں نام ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ کسی طرح سے بھی کوئی آپشن یا اظہار رضامندی نہیں ہے۔کاتز نے فوج کو حکم دیا ہے۔کہ ایسا کیا جائے۔اس سے اور بھی بہت سے معانی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کاتز کو انتظامی اختیار حاصل ہے۔

کاتز کو ان منصوبوں کے لیے بنیامین نیتن یاہو کا مکمل اعتماد بھی حاصل ہے۔ ہارتز اخبار کے مطابق واشنگٹن ڈی سی میں ڈونلڈ ٹرمپ سے ملاقات میں کاتز بھی موجود تھے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ کاتز میں سیاسی عزم ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ ''انسانی شہر'' بھی تعمیر کر سکیں گے۔ یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ کیا وہ لاکھوں فلسطینیوں کو، نامناسب ہتھکنڈے استعمال کر کے بھی، ایسا کرتے ہوئے بے دخل کر سکیں گے؟ کیا وہ خوراک کا حربہ بھی اس طرح سے استعمال کر سکیں گے؟

سابق اعلیٰ اسرائیلی سفارت کار اور تجزیہ نگار ایلون پنکس کا کہنا ہے کہ یہ منصوبہ اپنی تعریف کے اعتبار سے نا قابل یقین ہے۔ یہ عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔اگر اخلاقی طور پر دیوالیہ پن بھی غالب آ جائے تو عملاً الگ تھلگ لاکھوں انسانوں کو ایک جعلی خود ساختہ نظر بندی کیمپ میں رکھا نہیں جا سکتا۔

کاتز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بلند و بانگ دعوے کرنے، بے بنیاد باتیں کرنے، بے چینی پیدا کرنے والے ریمارکس دینے کے عادی ہیں۔خصوصاً وہ غزہ اور ایران کے بارے میں ایسا کرتے رہے ہیں۔

ایلون پنکس نے مزید کہا: یہ سوچنا حماقت ہوگی کہ رفاہ کو ایک کیمپ میں تبدیل کر دیا جائے۔اسے محض سیاسی پوائنٹ سکورنگ سمجھا جائے جب کہ اس پر بڑی سرمایہ کاری ہوگئی ہو اور فلسطینیوں کو جبری اس کیمپ میں منتقل کر دیا گیا یا کیا جا رہا ہو۔

''اس کے بارے میں اخراجات کا تخمینہ اور اس پر مبنی رپورٹ بوسٹن کنسلٹنگ گروپ (BCG) نے تیار کی ہے۔اس سٹڈی میں فلسطینیوں کو منتقل کرنے کی لاگت کا بھی کام کیا گیا ہے گزشتہ ہفتے فنانشل ٹائمز آف لندن نے رپورٹ شائع کی تھی۔ بوسٹن گروپ نے اس منصوبے کو قطعی نا قابل عمل قرار دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب کسی اختیار کے بناء ہے۔''

''انسانی تبادلے کے علاقہ جات'' کے عنوان سے کیمپوں کی تعمیر کے منصوبے غزہ سے باہر بنائے گئے ہیں۔ یہ منصوبے ٹرمپ انتظامیہ کو پہلے بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔وائٹ ہاؤس میں ان منصوبوں پر غور و خوض بھی کیا جا چکا ہے۔ اس بارے میں رائٹرز نے بھی ایک رپورٹ جاری کی تھی۔

صفارد نے اس بارے میں تین اسرائیلیوں کا احوال بھی بیان کیا تھا۔انہوں نے اسرائیلی حکومت اور فوج کے خلاف رٹ دائر کی تھی۔اس رٹ میں فلسطینیوں کے جبری طور پر منتقل کیے جانے کو سامنے لایا گیا تھا۔انہوں نے اسے بین الاقوامی قانون کی پامالی قرار دیا تھا۔

اس میں کہا گیا تھا کہ:

''اسرائیل کی دفاعی فوج سے جنگی جرائم کرنے کا کہا گیا ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف بھی جرائم میں آتے ہیں۔'' جج حضرات نے فوج اور انتظامیہ کو جواب دینے کے لیے کئی ہفتوں کا وقت دیا تھا۔ اس سلسلے میں اسرائیلی چیف آف سٹاف کے آفس سے بھی جواب طلب کیا گیا تھا۔ اس پر چیف ایال ضمیر کے آفس نے جواب دیا کہ فلسطینیوں کو بے گھر کرنے یا کنسنٹریشن کیمپوں میں منتقل کرنے کے حوالے سے ان کے پاس کسی نوعیت کی معلومات یا احکام نہیں ہیں۔ جوابی خط میں مؤقف اختیار کیا گیا کہ:

''اسرائیلی فوج سفارش کرتی اور شہریوں کو اجازت دیتی ہے جو جنگی زونز میں ہیں کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے وہاں سے منتقل ہو جائیں۔''

''یہ ہمدردانہ طور پر کہا جا رہا ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ شہری آبادی کو کنسنٹریشن اور متحرک کرنے کے بارے میں آپریشنز میں کچھ بھی شامل نہیں ہے۔ فوج شہری آبادیوں کو غزہ سے باہر کہیں منتقل کرنا نہیں چاہتی۔''

''بین الاقوامی قانون کہتا ہے کہ آبادیوں کو عارضی طور پر نکالا جا سکتا ہے تا کہ ان کا دفاع ہو سکے اور وہ جنگ کے دوطرفہ مخالفانہ حملوں کا نشانہ بننے سے بچائے جائیں۔''

جواب میں مزید کہا گیا ہے کہ: ''جبری منتقلی کی ممانعت اور آبادی کو کہیں اور منتقل کرنا جدید بین الاقوامی قانون کا پرانا حصہ ہے۔ ایسا امریکی سول جنگ میں ہوتا رہا ہے۔ چناں چہ اس میں کچھ بھی نیا نہیں ہے

اس پر بین الاقوامی لیگل کمیونٹی میں بحث ہو رہی ہے۔''

یہ بھی کہا گیا کہ ''ڈیموگرافک انجینئرنگ کی جا سکتی ہے۔ اس کے تحت لوگوں کو ایک مقام سے نکالا بھی جا سکتا ہے اور انہیں نئے علاقوں میں منتقل بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں جنگی جرائم ہیں۔ اسرائیلی حکومت یہ دونوں جرائم کرنا چاہتی ہے۔''

خوراک کی تقسیم کے مراکز پر بڑے پیمانے پر قتل عام سے امدادی کارکن بہت پریشان ہیں۔

بیت المقدس سے جنین برک کی رپورٹ 9 جولائی 2025ء

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اسرائیلی فوج کی بے دریغ فائرنگ سینکڑوں امداد لینے کے لیے آئے فلسطینی ہلاک و زخمی ہو رہے ہیں۔

میڈیکل حکام، انسانی بنیاد پر کام کرنے والے افراد اور ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ مئی کے آخر سے ہلاک شدہ فلسطینیوں کی ہسپتال لائے جانے کی تعداد نے ان کی روزمرہ ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ یہ مقتولین اور ان کے ساتھ زخمی ہونے والے فلسطینی غزہ میں خوراک کی تقسیم کے مراکز پڑ رجاتے ہیں اور ان کی ایک بڑی تعداد ہلاک و زخمی کر دی جاتی ہے۔

غزہ کے ناصر ہسپتال کے ڈائریکٹر نرسنگ ڈاکٹر محمد سقر کا کہنا ہے کہ خان یونس کے علاقے میں ان کے ہسپتال میں بھاری تعداد میں ہلاک شدگان لائے جاتے ہیں اور ان کی تعداد شمار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''یہ بہت تکلیف دہ مناظر ہوتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ محشر کا میدان ہے۔ قیامت کے مناظر ہیں۔ کئی مرتبہ ایک گھنٹہ یا نصف گھنٹہ میں 100 سے 150 کیسز آ جاتے ہیں۔ ان میں شدید زخمی افراد کے علاوہ شہداء کی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ لائے جانے والوں میں 95 فیصد وہ ہوتے ہیں جو خوراک کی تقسیم کے مراکز پر قابض فوج کی فائرنگ کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ ان مراکز کو خوراک کی تقسیم کے ''امریکی مراکز'' کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد سقر کا کہنا ہے کہ 27 مئی سے 2 جولائی کے دنوں میں امداد کے لیے مراکز کا رجوع کرنے والوں میں سے 640 شہید تھے جب کہ زخمیوں کی تعداد 4500 سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ اعداد و شمار غزہ کی وزارت صحت نے جاری کیے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہسپتال کا دم توڑتا نظام اور بھی دباؤ میں آ گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''ہر بیڈ پر مریض ہے۔ ہر نیا ہلاک یا زخمی جب یہاں لایا جاتا ہے تو ہمارے کام پر دباؤ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس دباؤ کا تصور کرنا بھی محال ہوتا ہے۔ ہمیں ایمرجنسی کے شعبہ کے فرش پر ہی مریض کا علاج کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے زخم گولی لگنے سے ہی آتے ہیں۔ یہ زخم سر اور سینے میں ہی زیادہ تر ہوتے ہیں۔ زخمی آتے ہیں تو کسی کی ٹانگ کٹی ہوتی ہے تو کسی کا بازو کٹ چکا ہوتا ہے۔''

ہسپتالوں اور کلینکس میں لائے جانے والوں کو ائیرسٹرائیک سے ہلاک یا زخمی کیا ہوتا ہے۔ ان سے درجنوں لوگ نشانہ بن جاتے ہیں۔ امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ اعلان کرتے ہیں کہ سیز فائر ہونے کو ہے۔ اسرائیلی یرغمال شدگان کے لیے فری زون قائم کیا جائے گا۔

اس بدھ کو 20 سے 44 افراد مار دیے گئے۔

قطر میں ہونے والے مذاکرات چوتھے دن تک پھیل گئے لیکن کوئی بھی کامیابی نہ مل سکی۔ یہ اس کے باوجود نہ ہو سکا کہ اسرائیل کے وزیر خارجہ گیدیون سار کہہ رہے تھے کہ ڈیل ہو

جائے گی۔حماس نے کہا تھا کہ وہ 10 یرغمالی رہا کردے گی۔

پھر بدھ کو صدر ٹرمپ نے اعلان کیا کہ اس رواں ہفتے غزہ میں جنگ بندی کا بہت زیادہ امکان ہے۔انہوں نے یہ بات اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو سے ملاقات کے بعد واشنگٹن میں کہی۔انہوں نے کہا کہ مزاکرات رواں ہفتے یا آئندہ ہفتے کامیاب ہو جائیں گے۔(بعدازاں بتایا گیا کہ قطر میں مذاکرات میں شامل اسرائیلی ٹیم کو کامیابی کا اعلان کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تھا)۔

غزہ میں انٹرنیشنل کمیٹی برائے ریڈ کراس نے بھی کہا کہ گزشتہ مہینے سے روزانہ ہلاک وزخمی ہونے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ یہ واقعات خوراک کی تقسیم کے امریکی مراکز پر ہوئے ہیں۔

غزہ میں خوراک کی تقسیم کا انتظام اس لیے بنایا گیا تھا کہ خوراک کی تقسیم حماس کے ہاتھوں میں منتقل نہ ہوجائے۔ریڈ کراس نے 60 بستروں کا فیلڈ ہسپتال قائم کیا جو غزہ کے جنوب میں ہے۔اس ہسپتال میں 2200 زخمیوں کا علاج کیا گیا جب کہ ہلاک شدہ افراد کی تعداد 200 سے زیادہ رہی ہے۔

جس رفتار سے لوگ ہلاک وزخمی ہورہے ہیں، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔صرف ایک مہینے میں ایسے افراد کی تعداد گزشتہ ایک سال میں ہلاک وزخمی ہونے والوں کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔زخمیوں میں ننھے، نوزائیدہ بچے، لڑکے، بوڑھے اور مائیں زیادہ ہیں۔ نوجوانوں کی بڑی تعداد بھی زخمیوں میں شامل ہے۔ بڑی تعداد میں نوجوان کہتے ہیں کہ وہ صرف خوراک اور امداد وصول کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

ہلاک شدگان اور زخمیوں کی ایک بڑی تعداد برطانوی فیلڈ ہسپتال پہنچی۔ یہ 86 بستروں کا فیلڈ ہسپتال المواصی جنوبی غزہ کے ساحلی علاقے میں کام کررہا ہے۔ برطانوی ایمرجنسی میڈیسن ماہر ڈاکٹر کلیئر جیفرے کا کہنا ہے کہ جب وہ ہسپتال پہنچیں تو وہاں بڑی تعداد ایسی تھی جو گن شاٹ سے ہلاک یا زخمی ہوئی تھی۔ پیٹ میں شدید زخموں سے نڈھال ایک مریض نے ڈاکٹر جیفرے کو بتایا کہ میں نے جیسے ہی خوراک والا کارٹن اٹھایا تو میں گولیاں لگنے سے زخمی ہوگیا۔

خوراک فاؤنڈیشن کے اس دعوے کی کسی بھی ذریعہ سے تصدیق نہ ہوسکی کہ اس کے تینوں مراکز پر کسی کو گولی نہیں لگی۔اس کے ترجمان نے کہا کہ اسرائیلی فوجی خوراک کے لیے آنے والوں کو سیدھی فائرنگ سے نشانہ بناتے ہیں۔ فاؤنڈیشن کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایک ہفتے میں مراکز سے 6 کروڑ 20 لاکھ کارٹن خواک دی ہے۔اور وہ مفت خوراک دینے کے لیے پوری تندہی سے کوشش کررہی ہے۔

ادھر اسرائیلی فوج بار بار دعوے کرچکی ہے کہ اس نے کسی سویلین کو براہ راست گولیوں سے نشانہ نہیں بنایا۔اس کا کہنا ہے کہ پوری کوشش کی جاتی ہے کہ ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

ہارٹز اخبار کی ایک رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ اسرائیلی فوجیوں نے بتایا کہ انہیں بہت واضح احکامات ملے ہیں کہ شہریوں کو نشانہ بنایا جائے اور یہ کہ خوراک کی تقسیم کے مراکز پر آپریشنز پر نظر ثانی کی جارہی ہے۔

غزہ میں رپورٹنگ آسان نہیں:

غزہ میں جنگ سے پہلے 36 ہسپتال تھے۔ یہ ہسپتال تقریباً تباہ کردیے گئے ہیں یا ان میں اب طبی سہولیات فراہم نہیں کی جارہیں۔ کچھ ہسپتالوں میں بہت ضروری نوعیت کا کام ہو رہا ہے۔میڈیکل عملے کو ادویات اور دیگر ضروری نوعیت کا کام ہورہا ہے۔میڈیکل عملے کو ادویات اور دیگر ضروری سامان کی شدید قلت کا سامنا ہے۔اب ان طبی مراکز میں ریسپائر میٹرز، ایکس رے مشین، سکینرز یا آپریشن ٹیبل پر لیمپس بھی دستیاب نہیں ہیں۔

ان حالات میں بھی عملہ اور ڈاکٹرز ان تھک کام کررہے ہیں۔انہیں بالخصوص زخمیوں کے سیلاب کا مسلسل سامنا ہے۔ریڈ کراس سٹاف کا کہنا ہے کہ غزہ کے صحت کے نظام کو بری طرح سے تباہ کردیا گیا ہے۔اب تو دستیاب اشیاء کی شدید قلت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ مسلسل ایک سال سے اسرائیل نے ہر طرح کی طبی اشیاء کو روک رکھا ہے۔

ڈاکٹرز اور نرسنگ سٹاف کا کہنا ہے کہ ہر وقت زخمیوں کی چیخ وپکار جاری رہتی ہے۔ وہ اور ان کے لواحقین بار بار ڈاکٹروں سے رجوع کرتے ہیں، التجائیں کرتے ہیں لیکن جس مریض کو ڈاکٹرز دیکھ رہے ہوتے ہیں، اس کو مناسب حد تک دیکھے بناء وہ دوسرے مریض کے پاس کیسے جاسکتے ہیں۔ اب تک غزہ کی وزارت صحت کے اعدادوشمار کے مطابق 1580 ڈاکٹرز اور طبی عملہ کے افراد مارے گئے ہیں۔

2 جولائی کو اسرائیل نے فضائی حملہ کرکے ڈاکٹر مروان السلطان کو ان کے پانچ بچوں اور اہلیہ کو شہید کردیا۔اس سے پہلے ڈاکٹر النجار اور ان کے 9 بچوں کو شہید کیا جاچکا ہے۔صحت کے عملے میں گزشتہ 50 دنوں میں تین ڈاکٹرز، انڈونیشیا ہسپتال کے نرسنگ چیف، ناصر چلڈرن ہسپتال کے ڈاکٹرز کے علاوہ سینئر مڈوائف، ریڈیالوجی ٹیکنیشن کے علاوہ درجنوں میڈیکل گریجوایٹس اور زیر تربیت ڈاکٹرز کو ہلاک کیا جاچکا ہے۔ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

تجزیہ: ابوالعین

”ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ“

فلسطین دشمنی میں سب سے آگے

دنیا میں عام اصول یہ مانا جاتا ہے کہ آپ کوئی ایسا عمل یا کام کریں جس کی اچھائی کی وجہ سے آپ کو جانا جائے۔ بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی برائی ان کی شخصیت کا لازمی حصہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر فرعون کو لوگ اس لیے بھی نہیں بھولتے کہ وہ اپنی ہی قوم کے نوزائیدہ بچوں کو ان کی صفتِ مردانگی کی وجہ سے قتل کرا دیتا تھا۔

آج کی دنیا میں لوگ ہٹلر کا نام بعض حوالوں سے قابل نفرت قرار دے لیتے ہیں۔ تاہم یہ طے شدہ نہیں کہ وہ ویسا تھا، جیسا اسے دکھایا جاتا ہے۔ آج کی سیاست اور سفارت دونوں ایسے کردار نمایاں کرتی ہے جن کو جن وجوہات پر مارا گیا، وہ ویسے نہیں تھے۔

آج کی ہی دنیا میں دو موجودہ کردار ایسے ہیں جن کے فیصلوں اور اقدامات نے دس لاکھ سے زیادہ مسلمان شہید کروا دیے۔ یہ دو کردار جارج بش اور ٹونی بلیئر ہیں۔ اول الذکر سابق صدر امریکہ اور مؤخر الذکر سابق وزیر اعظم برطانیہ ہیں۔

ان میں سے ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک تھنک ٹینک برطانیہ میں کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کا بنیادی کام آج بھی انسانوں بالخصوص مسلمانوں کو مارنا ہے۔ یہ تھنک ٹینک اسرائیل کی حکومت کے لیے ایک پراجیکٹ یا منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ یہ کام مکمل ہونے کے قریب ہے۔ کام یہ ہے کہ جنگ کے بعد کا غزہ کیسا ہوگا یا ہونا چاہیے۔ دوسرا کام، جو پہلے کا ہی حصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں کی فلسطینی آبادی کسی طرح سے ختم کر کے یہاں ڈونلڈ ٹرمپ کا تجویز کردہ تفریح گاہ کہہ سکتے ہیں فلسطینیوں کے بہائے گئے لہو سے تعمیر کی جائے گی۔ اس تفریح گاہ کو منصوبے کے مطابق اسرائیلی کاروباری شخصیات چلائیں گی۔ اس میں جس ماڈل یا ماڈلز پر چلایا جائے گا، اس کے لیے امریکی بوسٹن کنسلٹنگ گروپ (BCG) کام کر رہا ہے۔

ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ فار چینج (TBI) اس منصوبے پر بہت پہلے سے کام کر رہا ہے۔ اس کے سٹاف کے دو ارکان ساحلی تفریح گاہ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس منصوبے کے لیے ایک پیغام گروپ (Message Gruoup) بھی بنایا گیا ہے۔ اس میں بوسٹن گروپ کے کچھ ارکان اور اسرائیل کے صہیونی بزنس مین بھی شامل ہیں۔ ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ نے ”غزہ اکنامک بلیو پرنٹ“ تیار کیا ہے جس کا مسودہ ان ارکان کو بھی دیا گیا ہے۔

یہ بات برطانوی اخبار فنانشل ٹائمز شائع کر چکا ہے۔

ٹونی بلیئر نے جب سے برطانیہ کی وزارت عظمیٰ چھوڑی ہے، یہ انسٹی ٹیوٹ کام کر رہا ہے۔

دنیا بھر کے 45 ممالک میں یہ کام کررہا ہے اوراس کے ارکان کی تعداد 900 ہے۔ٹونی بلیئر کو سابق صدر امریکہ جارج بش نے مشرق وسطیٰ کے لیے خصوصی نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اس نمائندگی میں وہ چار سپر پاورز کے لیے بہ یک وقت کام کررہے ہیں۔اس کام کا سب سے اہم حصہ ہے کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان ایک اور معاہدہ امن کرایا جائے۔ ٹونی بلیئر نے 2015ء میں نمائندہ خصوصی کی سرکاری حیثیت چھوڑ دی تھی۔تاہم ان کا کام اب بھی جاری ہے۔

انسٹی ٹیوٹ بھی سرکاری طور پر غزہ کے لیے کسی منصوبے پر کام سے انکار کرتا ہے۔ان قوتوں کا مجوزہ ماڈل اسرائیل کے صہیونی بزنس مین کے تیار کردہ ماڈل سے مسودہ دیا گیا ہے۔اس کی نمایاں بات یہ ہے کہ 5 لاکھ فلسطینیوں کو رقم دی جائے گی کہ وہ مستقل طور پر غزہ سے ''رضا کارانہ'' ہجرت کرجائیں۔(براہ راست اس بارے میں تفصیل دے چکا ہے)۔یہ لوگ دوبارہ فلسطین آنے کا حق کھودیں گے۔ایک طرح سے سمجھا جائے گا کہ وہ غزہ میں اپنے مالکانہ حقوق سے ہر طرح سے دست بردار ہوجائیں گے۔

ایک اور منصوبہ (Grand Trust) کے عنوان سے تیار کیا گیا ہے۔ٹرمپ حکومت اس منصوبے سے آگاہ ہے۔اس کے تحت نجی سرمایہ کاری کرنے والوں کو تیار کیا جارہا ہے کہ وہ رضا کارانہ ہجرت پر تیار فلسطینیوں کو رقوم ادا کریں گے۔اس کے بارے میں یہ خیال کیا جارہا ہے کہ ٹرمپ حکومت کی دلچسپی اس میں شامل ہوگی اور اس میں گلف کی متمول مسلم ریاستوں کے امیر اور بادشاہ حصہ لیں گے۔اس سلسلے میں 10 عدد میگا پراجیکٹس پر کام ہورہا ہے۔ان میں:

- پہلا MBS (یعنی محمد بن سلمان) رنگ اور MBZ (یعنی محمد بن زید النہیان) رنگ مل کر ایک میگا پراجیکٹ بنارہے ہیں یا بنائیں گے۔یہ رنگ (Ring) سنٹرل ہائی ویز تعمیر کرے گا۔اس گروپ کا نام سعودیہ اور امارات کے بڑوں کے نام پر رکھا گیا ہے۔
- دوسرا یا اگلا گروپ ایلون مسک کا ہوگا جو سارے مینوفیکچرنگ منصوبے مکمل کرے گا۔

فروری میں ٹرمپ نے ایک ویڈیو پیش کی تھی جو آرٹی فیشل انٹیلی جنس سے تیار کی گئی تھی۔ٹرمپ نے کہا تھا:''ہمیں ایک حیران کن موقع مل رہا ہے۔مشرق وسطیٰ کا یہ ساحلی شہر (Riveira) بہت ہی شاندار ہوگا۔

جن لوگوں نے یہ منصوبہ تیار کیاہ،ٹونی بلیئر نے یہ احتیاط کی ہے کہ اس نے خود ان سے کسی نوعیت کی بات نہیں کی ہے۔تاہم اس کے ادارے کی ٹیم کے ارکان نے مختلف گروپس کے ارکان سے بات میں جنگ کے بعد کے منصوبوں پر گفتگو کی ہے۔

ٹونی بلیئر کے ارکان سے دوبارہ بات کی گئی ہے۔ایسی ہی بات ''غزہ پلانز'' کے دیگر ارکان سے بھی کی گئی ہے۔ان رابطوں کا مطلب یہ نہیں کہ کسی سے اس کی کسی طرح کی منظوری لی گئی ہے،تاہم یہ بار بار کہا جارہا ہے کہ بلیئر گروپ کا اس سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ وہ لوگ تو جنگ کے بعد کے غزہ کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔

ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ کی تیار کردہ دستاویز محور کا کام کررہی ہے۔اس میں ان مختلف پارٹیوں اور گروپس کی تجاویز ضرور موجود ہیں جن کا مقصد ''جنگ کے بعد کا غزہ'' کا سارا پراجیکٹ تیار کرنا ہے۔بہ ظاہر انسٹی ٹیوٹ کے ترجمان کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایسے کسی بھی منصوبے کے مخالف ہیں جس کا مقصد یہ ہو کہ اہل غزہ کو غزہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ہم یہی چاہتے ہیں کہ وہ غزہ میں رہیں۔

ترجمان کا مزید کہنا ہے کہ ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ کی تیار کردہ دستاویز داخلی امور کے بارے میں ہے۔ہم نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ فلسطینیوں کے لیے ایک بہتر غزہ تعمیر کیا جائے۔ٹونی بلیئر وزارت چھوڑنے کے بعد سے اسی مقصد کے لیے کام کرتے آئے ہیں۔ان کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ غزہ والوں کو کہیں اور آباد کیا جائے۔ایسی کوئی تجویز ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ نے کبھی تیار نہیں کیا ہے۔

بوسٹن گروپ کے حوالے سے الگ ہی تنازعہ موجود ہے۔اس میں غزہ خوراک فاؤنڈیشن دستاویز داخلی امور کے بارے میں ہے۔ہم نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ فلسطینیوں کے لیے ایک بہتر غزہ تعمیر کیا جائے۔ٹونی بلیئر وزارت چھوڑنے کے بعد سے اسی مقصد کے لیے کام کرتے آئے ہیں۔ان کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ غزہ والوں کو کہیں اور آباد کیا جائے۔ایسی کوئی تجویز ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ نے کبھی تیار نہیں کی ہے۔

بوسٹن گروپ کے حوالے سے الگ ہی تنازعہ موجود ہے۔اس میں غزہ خوراک فاؤنڈیشن وجۂ نزاع ہے۔گزشتہ مہینے بوسٹن گروپ نے اعلان کیا تھا کہ اس نے فاؤنڈیشن سے روابط ختم کردیے ہیں۔اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ میڈیا ایسی رپورٹیں دے رہا ہے جس سے اس کے کام اوراس کی فنڈنگ پر سوالات اُٹھ رہے ہیں۔

حال ہی میں برطانوی وزیر خرجہ ڈیوڈ لیمی نے اعلان کیا کہ ان کا ملک اس سارے منصوبے سے الگ ہورہا ہے۔جس طرح وہ فاؤنڈیشن سے الگ ہوگیا تھا۔لیمی نے اپنے بیان میں کہا کہ وہ اسرائیل کاتز کے بیان سے بہت حیران ہوئے ہیں۔انہوں نے یہ

بیان اپنی پارلیمانی کمیٹی کے روبرو دیا جس میں وہ کہہ رہے تھے کہ:

''یہ لوگ (امریکہ و دیگر) سیز فائر کے اصل پروگرام سے ہٹ رہے ہیں۔ ہم اس سمت میں آگے جا رہے تھے۔''

لیمی نے کہا کہ وہ پروگرام کو کسی سنجیدہ حوالے سے نہیں دیکھ رہے جس پر آگے بڑھنے سے غزہ والوں کو امداد مل سکتی جس کی انہیں فوری ضرورت ہے۔

حماس نے ایک بیان کہا کہ اسرائیل مسلسل کوششیں کرتا رہا ہے کہ ہمارے عوام کو بے در کر سکے، انہیں غزہ سے نکال سکے اور ان پر نسلی صفائی مسلط کر سکے۔ لیکن اسے شدید مایوسی ہوئی ہے۔ ہمارے عوام مضبوطی سے کھڑے ہیں۔ وہ شہید ہو رہے ہیں، زخمی کیے جا رہے ہیں، بھوکے اور پیاسے ہیں، ان پر بمباری ہو رہی ہے۔ لیکن انہوں نے تمام انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹرز کی سیاسی سودے بازی کو مسترد کر دیا ہے۔ انسانی حقوق کے وکیل مائیکل صفارد نے پھر کہا ہے کہ کاتز کی پوری کوشش ہے کہ لوگوں کو بے دخل کرنے کا کام پوری ریاستی قوت سے جاری رہے۔ یہ جنگی جرائم ہیں۔ صفارد نے سی این این پر یہ بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بے دخل کرنے کا سلسلہ پورے غزہ پر مسلط رکھتے ہیں تو یہ جنگی جرم ہے۔ اگر یہ کام رضا کارانہ ہو تو اور بات ہوگی۔

صفارد کا کہنا تھا کہ اب تک یہ کہیں اتفاق نہیں ہے کہ کام رضا کارانہ ہے۔ لوگ جس نوعیت کے ہتھکنڈوں کا سامنا کر رہے ہیں، وہ غزہ چھوڑنے پر مجبور کر دیے جائیں گے۔

متحدہ عرب امارات کے ایک سینئر سفارت کار نے کہا ہے کہ ان کا ملک کسی بھی اہم منصوبے کا حصہ دار ہے جس کا مقصد جنگ کے بعد کے غزہ کی تیاری ہے۔ اس مقصد کے لیے فلسطینیوں کو وہاں سے جبری بے دخل کرنا قبول نہیں ہوگا۔ امارات نے سرکاری اور عوامی سطحوں پر غزہ کو فلسطینی آبادی سے خالی کرانے کو مسترد کیا ہے۔

ایک الگ سے تیار کی گئی تجزیاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ کا کردار غزہ میں فلسطینیوں کی نسلی صفائی سے جڑا ہوا ہے۔ اس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ یہ گروپ فلسطینیوں کو مکمل تباہ کرنے کے منصوبوں کا حصہ ہے۔

اس بارے میں فنانشل ٹائمز لندن نے ٹرمپ کے ساحلی تفریح گاہ (Riveira) کے منصوبے، یہاں گلف کے دولت مند امیروں کے مجوزہ انفراسٹرکچر کا تفصیلی جائزہ اپنی اتوار کی اشاعت میں لیا ہے۔

اخبار نے The Grand Trust منصوبے کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے۔

اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ 25 فیصد یا 5 لاکھ فلسطینیوں کو رضا کارانہ ہجرت پر قوت سے اور رقوم دے کر تیار کیا جائے گا کہ وہ غزہ چھوڑنے کی دستاویز دے کر چلے جائیں۔ اس سلسلے میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ انہیں کوئی اور آپشن یا چوائس دی جائے گی یا نہیں۔ اس عمل کو بڑے پیمانوں پر حلقوں میں ''نسلی صفائی'' قرار دیا گیا ہے۔

ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ کی غزہ تجاویز کے پس پردہ اسرائیل کے ہائی پروفائل بزنس کی شخصیات بھی سرگرم ہیں۔ ان میں لیران ٹینک مین (L'eran Tancman)، دنیا میں انٹر پرائز سرمایہ کاری کے لیے جانے پہچانے مائیکل ایزن برگ (Michael Eisenberg) شامل ہیں۔ غزہ خوراک فاؤنڈیشن کے بننے میں ان کا کلیدی کردار ہے۔ فاؤنڈیشن بہت سے تنازعات میں الجھی ہوئی ہے۔ کچھ حلقے اس الجھاؤ کو محض ڈرامہ بازی قرار دے رہے ہیں۔ یہ فاؤنڈیشن اسرائیلی فوج سے مل کر اب تک 700 سے زیادہ فلسطینی مار چکی ہے۔ ان کے علاوہ 4000 سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں۔

ان میں ایک اور نام فل رائلے (Phil Riley) کا ہے۔ یہ بوسٹن گروپ کے سینئر ایڈوائزر کے طور پر آٹھ سال کام کر چکے ہیں۔ ٹونی بلیئر سے ان کی اس سال کے آغاز میں ملاقات لندن میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات کی درخواست فل نے خود کی تھی۔

ایک برٹش چیرٹی بھی انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ اس چیرٹی نے اپنی ویب سائٹ پر مشرق وسطیٰ کے نقشے میں گولان کی پہاڑیوں، مغربی کنارے اور غزہ کو اسرائیل کا حصہ دکھایا ہے۔

ٹونی بلیئر بہت پہلے سے اپنے منصوبوں کے حوالے سے بدنام رہے ہیں۔ وہ جیوئش نیشنل فنڈ اسرائیل کے برطانیہ میں اعزازی سرپرست رہے ہیں۔ اس فنڈ پر اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے سخت تنقید ہوتی رہی ہے۔ اسرائیل کی سب سے بڑی ملیشیا کو اس فنڈ نے دس لاکھ پاؤنڈز کا عطیہ دیا تھا جس پر بھی بہت تنقید ہوئی تھی۔ اسرائیل کی غیر قانونی اور ناجائز یہودی بستیوں کے لیے ان کے کردار سے کون واقف نہیں ہے۔

تیس صفحات پر مشتمل ایک ڈیک بھی تیار کیا گیا ہے۔ اسے امریکی حکام کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے اہم افراد کو بھی دکھایا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا کہ غزہ کی زمین اسرائیل کی نگرانی میں اس وقت تک رہے گی جب تک اسے ملٹری حوالے صاف اور اس کے اندر سے انقلاب کے جراثیم ختم نہیں ہو جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام، جہاد اور حماس کو ختم نہیں کر لیا جائے گا۔ عرب حکمران شدت سے اس کے منتظر ہیں۔

جائزہ: ایلون پنکس

غزہ کا مستقبل تضادات اور مخمصوں سے بھرا ہوا ہے وہاں امن کا دارومدار صرف ایک شخص کی نیت پر ہے۔

غزہ میں جنگ بندی ہوئی تو بھی زیادہ نہیں چلے گی

کیا آئندہ چند دن یا ہفتوں میں غزہ میں عارضی جنگ بندی اور قیدیوں کی جزوی رہائی کا معاہدہ ہوسکتا ہے؟ ہاں۔ کیا اس سے جنگ ختم ہوجائے گی اور 'جنگ کے بعد کا غزہ' سامنے آئے گا؟ نہیں۔

کیوں؟ وجوہات بہت سی ہیں لیکن سب سے بڑی اور غالب وجہ یہ ہے کہ اسرائیلی وزیرِ اعظم بن یامین نتن یاہو جنگ کا خاتمہ نہیں چاہتے۔

وہ اپنے 'زمانہ جنگ کے رہنما' کے درجے کے دلدادہ ہیں اور انہیں یقین ہے کہ وہ غزہ، ایران اور دیگر مقامات پر مشرق وسطیٰ کا جغرافیائی سیاسی منظر نامہ بڑی حد تک بدل رہے ہیں اور اپنے سیاسی مفاد اور موقع پرستی کے لیے وہ جنگ اور ہنگامی صورت حال کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

نیو یارک ٹائمز میگزین نے حال ہی میں ایک جامع اور تفصیلی رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ نتن یاہو 2024 کے آغاز سے جنگ کو طول دیتے آرہے ہیں۔ تمام اشاریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پالیسی اب بھی جاری ہے اور نہ صرف غزہ بلکہ مستقبل میں ایران پر ایک اور حملہ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ نتن یاہو نے گذشتہ ہفتے اپنے واشنگٹن کے دورے کے دوران خود کہا۔

اس صورت حال میں جنگ بندی کے امکانات پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ غزہ میں فوری جنگ بندی کے بارے میں مسلسل باتیں اور قیاس آرائیاں اب افسوس ناک حد تک اکتا دینے والی اور پیش گوئی کے قابل ہوگئی ہیں۔ ہر روز یہی سننے کو ملتا ہے کہ معاہدہ بس ہونے ہی والا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ انتباہ بھی آجاتا ہے کہ یہ زیادہ دیر نہیں چلے گا۔

اس کی ایک وجہ ہے، یعنی جو معاہدہ مختلف رفتار سے زیر بحث ہے، اس میں 60 دن کی جنگ بندی، 10 زندہ اسرائیلی یرغمالیوں اور 18 مردہ یرغمالیوں کی باقیات کا جزوی تبادلہ شامل ہے، جس کے بدلے غیر معینہ (لیکن بڑی) تعداد میں فلسطینی قیدی رہا کیے جائیں گے، جن میں بعض ایسے قیدی بھی ہیں جنہیں دہشت گردی اور قتل کے جرم میں سزا سنائی گئی تھی۔

یہ معاہدہ جزوی نوعیت کا ہے اور اسے ایک بڑے معاہدے تک لے جانا مقصود ہے، اسی لیے اس کے اصول، نکات اور مراحل بھی 'جنگ کے بعد کے غزہ' کے بنیادی خاکے سے جڑے ہوئے ہیں۔

اس بنیادی خاکے پر فریقین میں ابھی کوئی ہم آہنگی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اگلے چند دن یا ہفتوں میں جنگ بندی کا معاہدہ ہو بھی جائے، تو اس کا برقرار رہنے پر بڑا سوالیہ نشان ہے۔ اس کے ٹوٹنے کا امکان تقریباً یقینی ہے، بالکل ویسے ہی جیسے جنوری میں ہونے والا تقریباً ایسا ہی جنگ بندی معاہدہ 58 دن چلا اور پھر مارچ کے وسط میں اسرائیل نے اسے ختم کر دیا۔

اس حقیقت پسندانہ مگر نمایاں طور پر مایوس کن نقطۂ نظر کی وجوہات عملی بھی ہیں اور سیاسی بھی، جو دونوں مراحل کے درمیان واضح اندرونی تضادات میں نظر آتی ہیں۔ موجودہ مذاکرات میں کئی ایسے سوالات ہیں جن کے جواب نہیں ملے، اور ہر ایک کا مختصر جواب یہ ہے کہ کیا حماس اقتدار میں رہے گی؟

موجودہ معاہدے کے مطابق عملی طور پر ہاں۔ لیکن اسرائیل، امریکہ اور کچھ عرب ممالک کے 'جنگ کے بعد کے منصوبوں' کے مطابق نہیں۔ کیا اسرائیل دوبارہ تعیناتی کرے گا اور آہستہ آہستہ غزہ سے نکل جائے گا؟ معاہدے کے مطابق ہاں۔ لیکن اسرائیل کے مطابق نہیں، جو غزہ کے جنوبی حصے میں رفح سمیت بڑے بفر زون اور مکمل کنٹرول پر اصرار کر رہا ہے۔ کیا یہ تضادات دور ہو سکتے ہیں؟ بالکل نہیں۔

پھر یہ سوال آتا ہے کہ امریکہ نے حماس کو کیا ٹھوس ضمانتیں دی ہیں کہ 60 دن کے بعد اسرائیل دوبارہ جنگ شروع نہیں کرے گا؟ یہ واضح نہیں۔

یہ یقین دہانیاں کیسے اس 'جنگ کے بعد کے منصوبے' سے میل کھاتی ہیں جس میں حماس کو ہٹانا ہے؟ بالکل میل نہیں کھاتیں۔ غزہ میں انسانی امداد اور خوراک و ادویات کی فراہمی کی ذمہ داری کس کی ہے؟ یہ بھی واضح نہیں۔

نام نہاد 'جنگ کے بعد کے غزہ' کے سیاسی منصوبے اور اقتدار کے ڈھانچے میں کیا شامل ہے؟ امریکہ بنیادی طور پر اماراتی منصوبے پر غور کر رہا ہے، جس میں دیگر فریقوں نے تو حصہ ڈالا ہے لیکن اسرائیل نے نہیں۔ اس منصوبے کے پانچ بنیادی اصول ہیں اور یہ سب 60 دن کے جنگ بندی معاہدے کے کامیاب نفاذ پر مبنی ہیں۔

'غیر حماس فلسطینیوں' کو اقتدار کی بتدریج منتقلی۔ اس عمل کو پانچ عرب ممالک یعنی سعودی عرب، مصر، اردن، قطر اور متحدہ عرب امارات کی حمایت حاصل ہے۔

ان ممالک میں سے بعض کی جانب سے سکیورٹی فورس تشکیل دی جائے گی، جسے امریکی نجی ٹھیکیداروں اور ممکنہ طور پر غزہ سے باہر قائم امریکی کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر کی معاونت حاصل ہو گی۔

یہ منصوبہ فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے ان ممالک کو عمل درآمد کی دعوت دینے کے بعد شروع ہو گا۔ اس طرح فلسطینی اتھارٹی بھی شامل ہو گی، لیکن اسرائیل یہ دعویٰ کر سکے گا کہ وہ اقتدار کے ڈھانچے کا حصہ نہیں۔

عرب شراکت دار ایک نئی سکیورٹی فورس کی منظوری دیں گے، بھرتی اور تربیت کا اہتمام کریں گے اور غزہ کی بحالی کے لیے درکار فنڈ (جس کا تخمینہ 60 ارب ڈالر سے زائد ہے) اکٹھا کریں گے۔

منصوبہ فلسطینی اتھارٹی کو اصلاحات پر مجبور کرے گا تاکہ وہ ایک قابل اعتماد مذاکراتی فریق بن سکے۔

کیا اسرائیل کسی ایسے منصوبے پر متفق ہے؟ نہیں۔ کیا اس کے پاس کوئی متبادل منصوبہ ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں۔

یہیں سے ہم اس دوسرے تضاد تک پہنچتے ہیں جو کسی طویل مدتی معاہدے کو ناممکن بنا دیتا ہے۔ یعنی نام نہاد 'انسانی حقوق کا شہر' (humanitarian city) یہ اصطلاح اخلاقی طور پر انتہائی پست اور جارج اورول کی 'خیالی زبان' (Newspeak) جیسی ہے، جو شاید کسی گھٹیا سائنس فکشن فلم سے لی گئی۔ مستقل کی اس جگہ کو نسلی صفائی اور جبری بے دخلی کے مقام کے طور پر بیان کیا گیا۔

یہ بات واضح ہے کہ اس بالکل ناقابل عمل مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے (جس کی اسرائیلی فوج سخت مخالفت کرتی ہے)، اسرائیل کو غزہ میں بڑی فوجی موجودگی برقرار رکھنی ہو گی۔

ہاں! عارضی جنگ بندی کا معاہدہ ممکن ہے اور اسے قبول کرنا چاہیے کیوں کہ اس کا متبادل (جنگ جاری رکھنا) بہتر نہیں لیکن نہیں، کیوں کہ جب تک نتن یاہو یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ جاری رہنی چاہیے، اس وقت تک کسی مستقل معاہدے کی امید نہیں۔

نوٹ: اس تحریر کے مصنف ایلون پنکس امریکہ میں اسرائیل کے سابق قونصل جنرل ہیں اور دو سابق وزرائے اعظم شمعون پیریز اور ایہود باراک کے سیاسی مشیر بھی رہ چکے ہیں۔

خصوصی رپورٹ: لمیس تغرید

کعبہ میرے پیچھے، معبد و کلیسا میرے آگے

غزہ: عالم اسلام ماتم بھی کرے تو کس سے؟

میرے ہاتھوں پر لہو، میرے ہاتھوں میں دستانے

1995 سے 2025۔ پہلے بوسنیائی مسلمان اور اب فلسطینی مسلمان بے دریغ مارے گئے۔ تیس سال ہی تو گزرے تھے، مسلمان ساٹھ ہزار ہو گئے، انہیں جن پر بھروسہ تھا، انہی پتوں نے طوفان اٹھا دیا۔۔۔

اسرائیل غزہ میں اب تک 60 ہزار فلسطینیوں کو شہید کر چکا ہے۔ اس کے مسلسل حملوں سے ایک لاکھ 40 ہزار مزید فلسطینی بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں زخمی ہو چکے ہیں۔ اسرائیل نے اپنی مسلسل بمباری سے غزہ میں قحط کی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ مارچ سے اب تک مسلسل ناکہ بندی اور محاصرے نے کھانے پینے کی کوئی بھی شے اور ادویات اندر جانے نہیں دی ہے۔

1992ء سے 1995ء تک سربوں نے بوسنیا میں حملوں سے ایسی ہی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ صرف 11 جولائی 1995ء کو سرب فوج اور نیم فوجی دستوں نے رادوان کراوزدچ اور سلوبودان میلاسووچ کی کمان میں سربرینیکا شہر کا محاصرہ کر کے 8 ہزار بوسنیائی مسلمان شہید کر دیے تھے۔ بوسنیا میں مجموعی طور پر چار سالوں میں 68 ہزار مسلمان شہید کر دیے تھے۔

سربرینیکا میں نسلی صفائی (Ethric cleansing) کے 30 سال پورے ہونے پر غزہ میں بنیامین نیتن یاہو کی نگرانی میں 60 ہزار فلسطینی مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں اور ہنوز یہ قتل عام جاری ہے۔ اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز بار بار کہہ رہے ہیں کہ ان کا ملک یہ پکا ارادہ رکھتا ہے کہ وہ غزہ کے 6 لاکھ مرد و زن کو ان کے بقول ”سیف زون“ اور حقیقت میں کنسنٹریشن کیمپوں میں جمع کرے گا۔ رفاہ کے علاقے میں اسرائیلی فوج نے ان کیمپوں کی تیاری کے لیے تباہ شدہ عمارتوں کا ملبہ ہٹائنے کا کام شروع بھی کر دیا ہے۔ غزہ کی آبادی کو بمباری، فائرنگ، بھوک و پیاس اور بیماریوں کے سیلاب میں ڈبونے کے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ جو کوئی بھی ایک مرتبہ ان زونز یا کیمپوں میں جائے گا یا لے جایا جائے گا، اسے ایک ہی صورت میں باہر نکلنے کی اجازت دی جائے گی کہ وہ ایک دستاویز لکھ کر دیں کہ وہ رضا کارانہ طور پر غزہ سے کسی دوسرے ملک ہجرت کر رہے ہیں، وہ دوبارہ کسی صورت واپس نہیں آئیں گے۔ ان کا غزہ یا فلسطین پر کوئی ملکیتی دعویٰ باقی نہیں رہے گا۔

اگر وہ یہ دستاویز دینے پر تیار نہیں ہوں گے، انہیں مسلسل بھوک اور پیاس کے ساتھ بیماری کی حالتوں میں رہنا ہو گا۔ اسرائیل کے اپنے لوگ، قانونی ماہرین اور سیاسی راہ نماؤں کا اس پروگرام پر شدید اعتراض سامنے آ رہا ہے۔ وہ اس منصوبے کو جنگی جرم بھی قرار دے رہے ہیں۔

اسرائیل کے ایک سابق وزیر اعظم نے صاف الفاظ میں اس منصوبے کو کنسنٹریشن کیمپ قرار دیا ہے۔ انہوں نے برطانوی جریدے گارڈین کو انٹرویو میں کہا ہے کہ وزیر دفاع کاتز کے بار بار اعلانات صاف طور پر جنگی جرم ہیں اور یہ کنسنٹریشن کیمپ کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس کی تفصیلات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مستقل فوج اور گینگسٹرز کے محاصرے میں ہو گا اور اس کے اندر حالات ابتر ہوتے جائیں گے۔

اسرائیل اسے یکطرفہ طور پر سیف زون قرار دے رہا ہے۔ سر برینیکا میں کیمپ کے باہر کسی کا کنٹرول نہیں تھا۔ غزہ میں یہ کنٹرول اسرائیلی فوج کے پاس ہوگا جو کسی کو بھی باہر نکلنے سے روکے گی۔ جس طرح خوراک فاؤنڈیشن سے خوراک کے لیے آنے والوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جارہی ہے، اسی طرح ان کیمپوں سے نکلنے کی کوشش پر بھی فائرنگ ہوگی۔ سر برینیکا کنسنٹریشن کیمپ کے باہر اقوام متحدہ کی امن سلامتی کونسل کی قرارداد 819 کے مطابق امن فوج کے دستے تعینات تھے۔ غزہ میں اسرائیلی فوج موجود رہے گی۔ لوگ شدید رش میں ہوں گے، بھوکے اور پیسے ہوں گے۔

اس کیمپ کو اسرائیل جس طرح سے ''سیف زون'' قرار دے رہا ہے، اسے بار بار خود ہی کنسنٹریشن زون بھی کہہ رہا ہے۔ سر برینیکا کے کیمپ کے برعکس زون کے باہر نسل کشی مزید فلسطینیوں کی جان لے گی۔ ایک طرف ''رضا کارانہ ہجرت'' کے عنوان سے فلسطین چھوڑ کر جانے والوں کی کمی سے گنتی کیمپ کے باہر غزہ سے لائے جانے والوں سے پوری کی جائے گی۔ گویا کیمپ یا زون کے اندر 6 لاکھ پورے کیے جاتے رہیں گے۔ باہر والوں کے لیے خوراک اور پانی کا حصول مزید ناممکن بنا دیا جائے گا۔

اس وقت اسرائیل غزہ میں بار بار بے دخلی کے احکامات جاری کر رہا ہے۔ ایک سکیم کے تحت فلسطینیوں کو ایک علاقے سے یہ احکامات ویسے جارہے ہیں، جب انہیں اس علاقے سے نکالا جاتا ہے تو دوسرے علاقے میں جاتے ہی پھر سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح غزہ کے لوگوں کو مسلسل حرکت میں رکھا جارہا ہے۔ بعض حصوں کو سیف زون قرار دے دیا جاتا ہے، جب وہ ٹینٹ سوسائٹی کا حصہ بن جاتے ہیں، ان پر اچانک بمباری کر دی جاتی ہے۔

مختلف اور متفرق حالات اور تناظر میں افراد کو بے دخل کرنے کے جسمانی اور نفسیاتی اثرات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ سائنس دانوں نے جبری طور پر بے دخل کیے گئے افراد میں Post-traumatic Stress Disorders (PTSD) نوٹ کیے ہیں۔ ان میں ذہنی تناؤ شدت اختیار کر جاتا ہے۔ ان میں جسمانی تھکان، بے یقینی اور نفسیاتی اثرات مسلسل خوفزدہ رہنے کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سوشل سپورٹ کی بار بار ٹوٹ پھوٹ ان کے عزم کو بھی توڑتی ہیں۔ وہ ''نارمل زندگی'' کی جانب لوٹنے کے تصور کو بھی محال سمجھنے لگتے ہیں۔ سر برینیکا میں بوسنیائی مسلمانوں کو انہی حالات اور کیفیات گزارا گیا۔ اب یہ مشاہدہ غزہ میں کیا جارہا ہے۔

جبری طور پر مسلط کردہ غزہ کے حالات، مستقبل کے نقشوں کی تیاری، ساحلی تفریح گاہ کے خاکے اور نئے شہر کی تعمیر ان سب امور میں اسرائیل تنہا ہرگز نہیں ہے۔ یہ بات بار بار کہی سنی جارہی ہے کہ ایک طرف امریکہ اور مغربی قوتیں ہیں تو دوسری طرف سعودیہ کی قیادت میں قطر، امارات ہیں۔ ان کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں سے کسی کو بات تک کرنے کی جرأت نہیں ہورہی۔ یہ صورت حال پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ عالم اسلام وہ اب شاید باقی نہیں رہا جو کانٹا چبھ جانے سے بے قرار ہوا کرتا تھا۔ اب تو مائیں بے بسی سے دیکھ رہی ہیں کہ ان کے نوزائیدہ بچے محض دودھ کی چند بوندوں کے لیے تڑپ رہے ہیں۔

فلسطینیوں پر عرصۂ حیات دن بدن تنگ ہو رہا ہے۔ ان کے لیے زندگی ہر روز سکڑتی جاتی ہے۔ اسرائیل کاتز کے ریمارکس بلاوجہ نہیں ہیں۔ مغرب ہمارے سامنے کہتا رہے گا کہ کاتز کو نعرے بلند کرنے کی عادت ہے۔ کاتز جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ کسی غیر ذمہ دار فرد کے الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بے شمار شہریوں اور جنگ سے دور سول آبادی کے قتل پر دنیا کا ایک بڑا حصہ اسرائیل پر تنقید کر رہا ہے، لیکن بین الاقوامی عدالت انصاف کی ساری تحقیقات، اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی بے لاگ تفتیش کے باوجود کہا جارہا ہے اور کہنے والے غزہ کے ازلی دشمن نہیں، آس پڑوس کے نام نہاد ہمدرد ہیں کہ اسرائیل کی فوج کو غلطی کا مارجن دینا پڑے گا، وہ اپنے ملک کا دفاع کر رہی تھی۔

اس وقت غزہ کے لوگوں سے زندہ رہنے کی امید اسی طرح سے چھن رہی ہے جس طرح تیس سال پہلے سر برینیکا کے مسلمانوں سے زندگی روٹھ رہی تھی۔ تب بوسنیا مسلمانوں کے حصار سے محروم تھا، آج غزہ کو جن بازوؤں کی ضرورت ہے، وہ اسرائیل اور امریکہ کو کھربوں ڈالر دان کر رہے ہیں، کروڑوں ڈالر کا جہاز صرف ایک فرد، ڈونلڈ ٹرمپ کو تحفہ میں دے رہے ہیں۔

کسی مسلمان حکمران کو یہ خیال تک نہیں آرہا کہ بنیامین نیتن یاہو نے غزہ پر حملے کے جواز میں یہ نہیں کہا کہ اس کی جغرافیائی وحدت کو اہل غزہ نے خطرے میں ڈالا ہے۔ اس کے الفاظ ریکارڈ پر ہیں کہ اس کا مقابلہ انسانوں سے نہیں، انسانی جانوروں سے ہے۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ غزہ اور اس کے شہریوں پر حملے کا جواز یہ ہے کہ وہ ایک ''مقدس جنگ'' لڑ رہا ہے۔ اس نے تورات کے حوالے دیے کہ وہ یہودیوں کے بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے۔ اس نے فلسطینیوں کو ماضی کے ازلی دشمنوں سے ملایا اور کہا کہ ''تمہیں کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ عمالیق نے تمہارے ساتھ کیا نہیں کیا تھا۔'' تاریخ کی کتابوں میں وہ اسرائیلیوں کا دشمن قرار دیا گیا۔

ابھی حال کی بات ہے کہ اسرائیل کے وزیر خزانہ بزازیل سموٹریک نے مئی میں کہا تھا کہ غزہ کی آبادی جلد ہی خود کو ایک ٹریپ میں مبتلا پائے گی جس میں اسے مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہ پائے گی جس میں اسے مایوسی کے سوا کچھ نہیں رکھا ہے۔ انہیں جان لیں گے کہ اب ان کے لیے غزہ میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ انہیں غزہ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے کہیں اور چلے جانا چاہیے۔

یہاں ایک تلخ حقیقت کا ادراک کرنا عالم اسلام کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ انسانی تاریخ میں کوئی امت یا قوم ایسی نہیں گزری جس نے ایک سیاسی بنیاد کو ختم کرنے کے لیے پوری آبادی داؤ پر لگا دی۔ غزہ کے ساتھ یہی کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔

اگر جرائم کے بین الاقوامی ٹریبونل کی دستاویزات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ سربوں نے کہا تھا کہ بوسنیا کے لوگ ''غیر ملکی'' ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ قدامت پرست مسیحی نہیں بل کہ مسلمان تھے۔ وہ سب کے سب قاتل تھے جو بوسنیائی سربوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ یہاں فلسطین پر مسلمہ قابض یہودی کہہ رہے ہیں کہ فلسطینی بالخصوص مسلم فلسطینی سب کے سب دہشت گرد ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ غزہ کو دہشت گردوں سے پاک کرنا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ فلسطینی ختم کرنا ہے، کوئی مسلمان باقی نہیں رہے گا کیوں کہ یہ انسانی جانور ہیں، انسان نہیں ہیں۔

ان بنیادوں پر مغرب کے ناقدین صاف کہہ رہے ہیں کہ فلسطینی جارحیت پسند نہیں۔ ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ یہ بات بھی اہل مغرب ہی کہہ رہے ہیں۔ یہی سب دو سال سے غزہ میں ہو رہا ہے، بہت سی اور بہت اہم باتیں ایسی ہیں جو پڑھنے کے لیے ہیں، بہت تکلیف دینے والی ہیں۔ اس بات کو بھی ہلکا لیا جارہا ہے کہ امریکہ، پورا مغرب اور اسرائیل کہہ رہے ہیں کہ ان تمام فلسطینیوں کی نسل کشی درست ہے۔ غزہ میں جو ہو رہا ہے، مغربی کنارے میں بھی ہوگا، بیت المقدس میں بھی ہوگا۔

غزہ آباد ہوگا، فلسطین آزاد ہوگا: ابوعبیدہ

امت کے حکمرانوں نے بزدلی کا زیور پہنا ہوا ہے

آج جمعہ کے روز القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوعبیدہ نے ایک اہم بیان میں صہیونی جارحیت، فلسطینی مزاحمت، اور خطے کی موجودہ صورتِ حال پر روشنی ڈالی۔ ان کے خطاب کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

چار ماہ کی وحشیانہ جارحیت:

ابوعبیدہ نے واضح کیا کہ آج چار ماہ مکمل ہو چکے ہیں جب صہیونی دشمن نے جنوری میں مزاحمت کے ساتھ طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کی، ثالثوں اور دنیا کو دھوکہ دیا، اور اپنی نام نہاد فتح کے سراب میں دوبارہ سے غزہ پر نازی طرز کی جارحیت مسلط کی۔

شہریوں اور بچوں کو نشانہ بنانے کا تسلسل:

انہوں نے کہا کہ دشمن نے ان چار مہینوں میں اپنی درندگی کا نشانہ صرف عام شہریوں اور بچوں کو بنایا، اور منظم طور پر رہائشی علاقوں، محلّوں اور شہروں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ یہ حملہ صرف زمین پر نہیں، بلکہ انسانیت پر حملہ ہے۔

اکیس ماہ کی استقامت:

ابوعبیدہ نے فلسطینی عوام اور مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ 21 مہینے پہاڑوں جیسے عزم اور انبیاء جیسے صبر کا استعارہ بن چکے ہیں۔ قوم نے بے مثال قربانیاں دے کر مزاحمت کی تاریخ رقم کی ہے۔

عرب اور مسلم دنیا کا افسوسناک کردار:

انہوں نے کہا کہ اس دوران قابض صہیونیوں کو صرف رسوائی اور شرمندگی نصیب ہوئی، جبکہ بہت سے عرب اور مسلمان حکمرانوں نے شرمناک طور پر خاموشی اختیار کی، البتہ چند سچے مجاہد، مظلوم اقوام اور دنیا کے انصاف پسند انسان ہمیشہ فلسطین کے ساتھ کھڑے رہے۔

''عربات جدعون'' ایک فریب پر مبنی مہم:

ابوعبیدہ نے دشمن کی حالیہ فوجی کارروائی ''عربات جدعون'' کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ یہ توراتی اساطیر کا سہارا لے کر اپنی نسلی اور نازی سوچ کو تقدس کا رنگ دینے کی ناکام کوشش ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جنگ صرف ناپاک عزائم رکھنے والی کمزور اور بزدل فوج کی طرف سے معصوموں کے خلاف ایک انتقامی کارروائی ہے۔

''عربات جدعون'' کے مقابل ''حجارۃ داوود'' کی حکمتِ عملی:

ابوعبیدہ نے بتایا کہ ہم نے صہیونی دشمن کی نام نہاد فوجی کارروائی ''عربات جدعون'' کا مقابلہ اللہ کے بھروسے پر ''حجارۃ داوود'' جیسی مؤثر اور ایمان افروز کارروائیوں سے کیا۔ یہ حکمتِ عملی حضرت داوودؑ اور جالوت کے معرکے سے الہام لے کر ترتیب دی گئی، جس میں اللہ کی مدد اور نصرت نے مجاہدین کو کامیاب بنایا۔ ہر حملے میں وہ اللہ کا یہ وعدہ دہراتے رہے: ''وما رمیت إذ رمیت ولکن اللہ رمی۔''

اتحادِ مزاحمت، القسام اور سرایا القدس کا مشترکہ محاذ:

انہوں نے کہا کہ القسام کے مجاہدین اپنے دیگر مزاحمتی بھائیوں، خصوصاً سرایا القدس کے ساتھ مل کر دشمن کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ ایک غیر متوازن جنگ ہے، مگر ایمان، حوصلے اور اللہ کی مدد سے مزاحمت مضبوط تر ہو رہی ہے۔

دشمن کو بھاری جانی و نفسیاتی نقصان:

ابوعبیدہ نے کہا کہ ان مہینوں کے دوران مجاہدین نے دشمن کے سینکڑوں فوجیوں کو ہلاک و

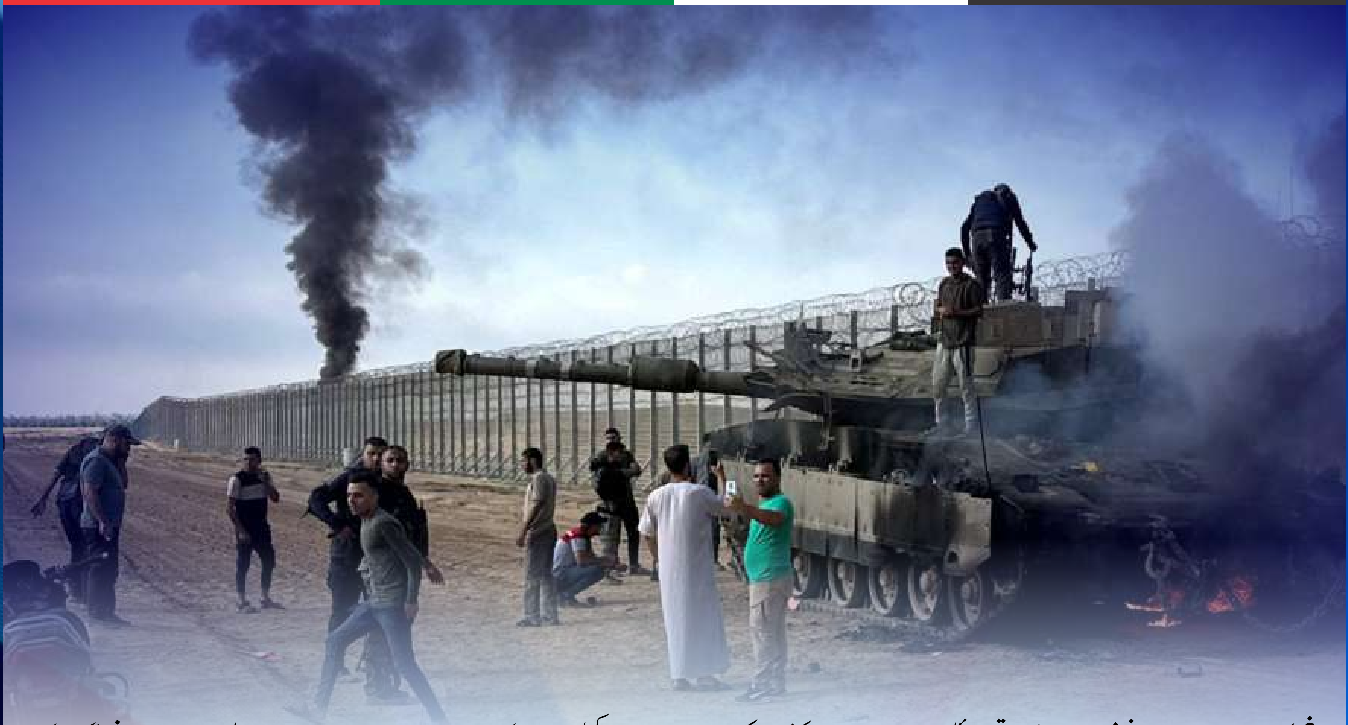

زخمی کیا، اور ہزاروں صہیونی فوجی شدید نفسیاتی مسائل کا شکار ہوئے۔ خودکشیوں کی تعداد میں اضافہ دشمن پر پڑنے والے دباؤ کی واضح علامت ہے۔

نئ عسکری حکمتِ عملی اور تخریبی کارروائیاں:

انہوں نے بتایا کہ القسام کے مجاہدین نے جنگ سے حاصل کردہ تجربات کی بنیاد پر نئ اور منفرد عسکری حکمتِ عملیاں اپنائیں، جن میں دشمن کی گاڑیوں پر براہِ راست حملے، گھات لگا کر فائرنگ، بموں سے نشانہ بنانا، سرنگوں کی تباہی، اور دشمن کے کیمپوں پر حملے شامل ہیں۔ قناص کارروائیاں، بارودی سرنگیں، اور قریبی ٹکراؤ بھی مسلسل جاری ہیں۔

خانیونس کی دلیرانہ کارروائی، صفر فاصلہ پر ٹکراؤ:

ابوعبیدہ نے خان یونس میں ہونے والی شاندار کارروائی کا ذکر کیا، جہاں قسام کے مجاہدین نے دشمن کی فوجی گاڑیوں پر چڑھائی کی، ان میں سوار صہیونی فوجیوں کو صفر فاصلے سے نشانہ بنایا، ان کے ہتھیار ضبط کیے، اور ان مجرموں کو انجام تک پہنچایا جنہوں نے عام شہریوں کے گھروں کو مسمار کیا تھا۔

صہیونی فوجیوں کو قیدی بنانے کی کوششیں:

ابوعبیدہ نے انکشاف کیا کہ حالیہ ہفتوں میں القسام کے مجاہدین نے دشمن کے فوجیوں کو قیدی بنانے کی کئی کارروائیاں کیں، جن میں بعض کامیابی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ تاہم، اللہ کی مشیت کے بعد، ان کارروائیوں کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ خود صہیونی فوج کی جانب سے اپنے مشکوک حالت میں آئے فوجیوں پر اجتماعی فائرنگ کر دینا تھا تاکہ انہیں مجاہدین کے ہاتھ نہ لگنے دیا جائے۔

مزاحمت کا جغرافیائی پھیلاؤ:

انہوں نے کہا کہ مجاہدین کی کارروائیاں شمالی بیت حانون، جبالیا، اور غزہ کے محلہ التفاح، الشجاعیہ، اور الزیتون سے ہوتے ہوئے خان یونس اور رفح تک پھیل چکی ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ آج غزہ کی مزاحمت پوری دنیا کے لیے ایک عظیم ترین عسکری درسگاہ بن چکی ہے، جو ایک مظلوم قوم کی اپنے قابض دشمن کے خلاف مثالی جدوجہد کی علامت ہے۔

مزاحمت کی طویل جنگی تیاری:

ابوعبیدہ نے اعلان کیا کہ 21 ماہ گزرنے کے بعد بھی القسام بریگیڈ اور دیگر مزاحمتی دھڑے مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں موجود ہیں، اور طویل المیعاد استنزافی جنگ کے لیے پرعزم ہیں، چاہے دشمن جو بھی منصوبے اور طریقے اپنائے۔ انہوں نے کہا کہ مجاہدین نے ایک دوسرے سے ثبات، استقامت، اور شہادت یا فتح کی بیعت کر رکھی ہے۔

یہ جنگ ہمارا دینی، اخلاقی اور قومی فریضہ ہے:

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ صہیونی دشمن کے خلاف جنگ محض ردعمل نہیں بلکہ ایک اصولی، دینی اور قومی فریضہ ہے، جس سے پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ ہم زمین کے پتھروں سے بھی لڑیں گے، اور اپنے ایمان اور جذبے سے ہر ممکن معجزہ برپا کریں گے، جیسا کہ ماضی میں قلیل وسائل سے بڑی فتوحات حاصل کی گئی ہیں۔

القسام کی موجودہ حکمتِ عملی:

ابوعبیدہ نے واضح کیا کہ القسام کی موجودہ عسکری حکمتِ عملی تین نکات پر مبنی ہے:

صہیونی فوج پر مہلک اور مرکوز حملے

صفر فاصلے سے براہ راست معرکے

صہیونی فوجیوں کو قیدی بنانے کی کارروائیاں

پیغام واضح ہے:

القسام بریگیڈ کی جنگی قیادت دشمن کے خلاف سخت مزاحمت، جانی نقصان، اور نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے پوری طرح مستعد ہے، اور یہ مزاحمت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک یا تو فتح نصیب ہو یا شہادت۔

امتِ مسلمہ کی خاموشی پر کرب، اور دشمن کو خبردار:

ابوعبیدہ حفظہ اللہ کا کہنا تھا:

''دشمن کے لیے جنازے تیار رکھو۔''

''ابوعبیدہ نے خبردار کیا کہ اگر صہیونی حکومت نے نسل کشی کی اس جنگ کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا، تو اسے اپنے فوجیوں اور افسران کی لاشیں اٹھانے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔''

انہوں نے کہا:

''نہ ان کے ٹینک انہیں بچا سکیں گے، نہ قلعے۔ موت کی وہ آگ جو اہلِ ایمان کے ہاتھوں تیار ہوئی اور اللہ کے حکم سے برس رہی ہے، ان کا تعاقب کرے گی۔''

مجاہدین کی قربانیوں پر فخر، لیکن امت کی بے حسی پر غم:

انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے مجاہدین کی استقامت اور قربانیوں پر فخر ہے، مگر ہم اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ ہمارا مظلوم اور زخمی قوم کس قدر کرب سے گزر رہی ہے۔

ابوعبیدہ نے امتِ مسلمہ کو یاد دلایا:

''ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن دوارب مسلمانوں کی یہ امت اپنے فرض سے غافل ہے، جس کا حساب اللہ کے ہاں ہوگا۔''

دشمن کو عالمی طاقتوں کی حمایت، امت کے حکمران صرف تماشائی:

ابوعبیدہ نے کہا کہ دشمن کو مسلسل اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کرنے والی عالمی طاقتیں اسے سہارا دے رہی ہیں، جب کہ مسلم دنیا کی حکومتیں اور ادارے صرف تماشائی بنے ہوئے ہیں، ''جب کہ ہمارے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں، پیاس سے بلک رہے ہیں، اور دوا تک کو ترس رہے ہیں۔''

امتِ مسلمہ کے حکمرانوں کو کڑی تنبیہ:

انہوں نے عرب و اسلامی دنیا کی قیادت، علما، جماعتوں اور اشرافیہ کو مخاطب کرتے ہوئے سخت الفاظ میں کہا:

''تم ہمارے، یتیموں، بیواؤں، زخمیوں، مہاجرین اور شہداء کے خون کے مجرم ہو۔ تم پر ہزاروں شہداء کا خون قرض ہے۔ قیامت کے دن تم اللہ کے سامنے ہمارے مخالفین میں شامل ہوگے۔''

خاموشی، گناہ میں شراکت ہے:

ابوعبیدہ نے واضح کیا کہ:

''یہ نازی صہیونی دشمن تم سب کی نظروں کے سامنے نسل کشی کر رہا ہے، کیونکہ اسے یقین ہے کہ کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

ہم کسی کو بھی اس خونِ ناحق سے بری نہیں سمجھتے، ہر شخص، ہر رہنما، ہر ادارہ جو کچھ کر سکتا ہے لیکن خاموش ہے، وہ اس جرم میں شریک ہے۔''

دشمن کی حقیقت: بزدل مگر ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھانے والا

ابوعبیدہ نے کہا:

''خدا کی قسم، ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح دشمن ہماری امت کی توہین کر رہا ہے، اس کی حرمت پامال کر رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ دشمن اندر سے کتنا بزدل، کمزور اور ذلیل ہے، لیکن چونکہ ہم نے اپنی عزتِ اسلامی اور حمیتِ عربی کو کھو دیا ہے، اسی لیے وہ ہم پر مسلط ہو گیا ہے۔''

انہوں نے قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''تم ان کے دلوں میں اللہ سے بڑھ کر خوفناک ہو، اگر امتِ مسلمہ عزت وغیرت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہو تو دشمن کبھی غالب نہ آ سکے۔''

''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' (اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔)

امت مسلمہ کی بے حسی پر کرب انگیز سوال

ابوعبیدہ نے پکارا:

''کیا دو ارب کی امت اتنی بے بس ہو گئی ہے کہ وہ محصور غزہ کے بچوں، عورتوں اور بیماروں تک کھانا، پانی اور دوا بھی نہیں پہنچا سکتی؟

کیا وہ اس قتلِ عام کو روکنے سے قاصر ہے، جو صرف اس لیے ہو رہا ہے تا کہ اس سرزمین پر ایک صہیونی سلطنت قائم کی جائے، جس کی دارالحکومت وہ شہر ہے جس کی طرف تمہارا قبلہ تھا، اور جہاں تمہارے نبی ﷺ کا سفرِ معراج ہوا؟

پھر جو سوئے، ان کی آنکھیں نہ جاگیں اور نہ جاگیں گی۔''

یمن کی مزاحمت، تمام امت کے لیے حجت

ابوعبیدہ نے یمن کے عوام، افواج، اور انصار اللہ کو خاص طور پر سلام پیش کیا:

''یمن کے لوگوں نے ساری دنیا کو حیران کر دیا، اپنے عمل سے، اپنے عزم سے، اور فلسطین کے لیے اپنے واضح مؤقف سے۔

ان کی مزاحمت دشمن پر ایک مؤثر محاذ بن چکی ہے۔ انہوں نے ان حکمرانوں، جماعتوں اور نظاموں پر حجت تمام کر دی ہے جو صرف نعرے لگاتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔

افسوس کہ کچھ طاقتور عرب و مسلم حکومتیں آج ظلم کی نمائندہ اور قوموں کو فریب دینے والے چہرے بن چکی ہیں۔''

دنیا کے آزاد انسانوں کو خراجِ تحسین

ابوعبیدہ نے آخر میں کہا:

''ہم ان تمام آزاد انسانوں کو سلام پیش کرتے ہیں جو ہر خطرے کے باوجود ہمارے ساتھ کھڑے ہیں، جو محاصرہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جو منافقین کی سازشوں اور تحقیر کے باوجود ظلم کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ حق کی صدا، اگرچہ کم ہو، مگر طاقتور ہوتی ہے۔''

دنیا کے باضمیر لوگوں کو سلام، کوششیں جاری رکھیں

ابوعبیدہ نے کہا:

''دنیا بھر کے آزاد انسانوں کی جانب سے کی جانے والی ہر کوشش چاہے وہ کامیاب ہو یا صہیونی دباؤ کے باعث ناکام، ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ ہم ان تمام اقدامات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں اور ہر میدان میں صہیونی جرائم کو بے نقاب کریں۔''

قیدیوں پر مذاکرات، مکمل معاہدے کی پیشکش، مگر نیتن یاہو نے ٹھکرا دی۔

انہوں نے کہا:

''ہم نے بارہا دشمن کے ساتھ غیر مستقیم مذاکرات میں ایک جامع معاہدے کی پیشکش کی، جس کے تحت ہم دشمن کے تمام قیدیوں کو ایک ہی بار رہا کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر جنگی مجرم نتن یاہو اور اس کی نازی ذہنیت رکھنے والی حکومت نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔''

ابوعبیدہ نے انکشاف کیا کہ:

''یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نتن یاہو کی حکومت اپنے قیدیوں (جو فوجی ہیں) کی پرواہ نہیں کرتی، اور صہیونی رائے عامہ کو پہلے ہی اس بات کے لیے تیار کر چکی ہے کہ یہ سب مارے جا چکے ہیں۔ اس کے باوجود، ہم نے انسانی بنیادوں پر اب تک ان کی زندگی کی حفاظت کی کوشش کی ہے۔''

مذاکرات کے نتائج کا انتظار، لیکن تعطل کی صورت میں سخت پیغام

ابوعبیدہ نے کہا:

''ہم مذاکرات کے عمل کو قریب سے دیکھ رہے ہیں، اور امید رکھتے ہیں کہ یہ جنگ بندی، قبضے کے خاتمے اور عوامی ریلیف پر مبنی کسی معاہدے پر منتج ہوگا۔

لیکن اگر دشمن نے ایک بار پھر اس دور کو سبوتاژ کیا، جیسا کہ ماضی میں ہوتا آیا ہے، تو ہم

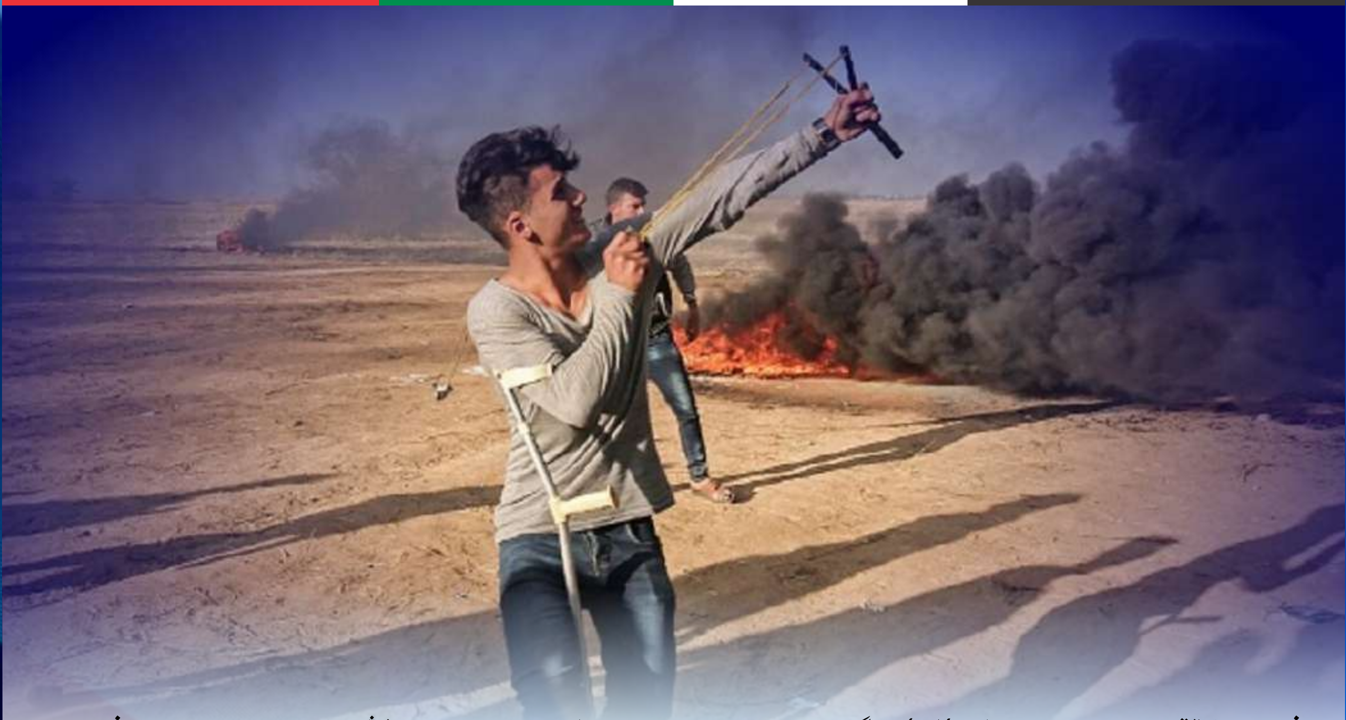

واضح کر دیں کہ مستقبل میں نہ تو جزوی معاہدے کی کوئی گنجائش ہوگی، اور نہ ہی دس قیدیوں کے فارمولے کو تسلیم کیا جائے گا۔‘‘

صہیونی ناکامی کا ثبوت، جنگی جرائم اور نسل کشی:

ابوعبیدہ نے دشمن کی ناکامی پر بات کرتے ہوئے کہا:

’’جب دشمن مزاحمت کے سامنے شکست کھا جاتا ہے، تو وہ گھناؤنے راستے اختیار کرتا ہے، اجتماعی سزائیں، جنگی جرائم، نسل کشی، اور نسلی تطہیر۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ ان جرائم کی کھلی حمایت امریکہ جیسے طاقتور ملک کی طرف سے ہوتی ہے، جو انسانی حقوق کا جھوٹا دعویدار رہے۔‘‘

ظلم اور نسل کشی پر فخر؟

ابوعبیدہ نے کہا کہ دشمن معصوم شہریوں کو اذیت دینے میں مہارت حاصل کر چکا ہے، کھلے عام لوگوں کو جبری طور پر ہجرت پر مجبور کرنے کی بات کرتا ہے، اور منظم تباہی کو عسکری کامیابی سمجھ کر فخریہ پیش کرتا ہے۔ آج وہ دنیا کے سامنے جھوٹے انسان دوست ناموں کے تحت نازی طرز کے حراستی کیمپ قائم کرنے کے منصوبے پیش کر رہا ہے۔

نسل پرستی کی نئی شکل:

ان کا کہنا تھا کہ یہ دشمن، ماضی کی بھیانک تاریخ کو دوبارہ دہرانا چاہتا ہے۔ اس کی سفاکیت اور بربریت نازی ازم کو بھی پیچھے چھوڑ چکی ہے، اور دنیا کو ان کیمپوں کے قیام کی سختی سے مخالفت کرنی چاہیے۔

معاداۃ السامیۃ کا جھوٹا شور:

ابوعبیدہ نے کہا کہ صہیونی دشمن نے برسوں سے ’’یہود دشمنی‘‘ کی جھوٹی مہم سے فائدہ اٹھایا، لیکن اب یہ مہم ایک کھلی تضحیک و رسوائی بن چکی ہے۔ دنیا کو جان لینا چاہیے کہ اقوام کی نفرت صہیونی نفسیاتی بیماریوں یا عقیدے سے نہیں، بلکہ ان کے جرائم اور انسانیت دشمن اقدامات سے جنم لیتی ہے۔

عربی ناموں میں چھپے صہیونی ایجنٹ:

انہوں نے کہا کہ دشمن کی جانب سے عرب ناموں والے ایجنٹ اور مرتزقے بھرتی کرنا اس کی مکمل ناکامی کا ثبوت ہے۔ ایسے غدار کبھی بھی فلسطینی قوم کے ضمیر کو خرید نہیں سکتے، اور ان پر خرچ کی جانے والی دولت صہیونی دشمن کے لیے حسرت، بربادی اور واضح خسارے کا باعث بنے گی۔

غداروں کے لیے انتباہ اور پیغام:

ابوعبیدہ نے ان تمام افراد کو فوری توبہ اور قوم کی آغوش میں واپسی کی دعوت دی، جو دشمن کے لیے کام کر رہے ہیں۔ بصورت دیگر ان کا انجام عبرتناک ہوگا۔ انہوں نے ان عظیم فلسطینی خاندانوں اور قبائل کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان ایجنٹوں سے لاتعلقی کا اعلان کیا، اور اس بات کو واضح کر دیا کہ وہ کسی بھی غدار کی نمائندگی نہیں کرتے۔

ابوعبیدہ: اے میرے صابر و ثابت قدم قوم کے فرزندو! اے انقلاب کے چشمے اور غیرت مند مردانِ حریت! اے وہ لوگ جو روزانہ شہادتوں کے قافلے روانہ کرتے ہیں! تم موسیٰؑ کے بھائی ہو، جنہیں دشمنوں نے ایذا دی، اور موسیٰؑ نے کہا: ’’ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے راستہ دکھائے گا۔‘‘

ابوعبیدۃ: تم یوسفؑ کے نواسے ہو، جنہیں بھائیوں نے دھوکہ دیا اور کنویں میں پھینک دیا، مگر رب نے انہیں عزت دی، انہیں اقتدار عطا کیا۔ تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے ہو، جنہیں مکہ میں محصور کیا گیا، غار میں پناہ لینا پڑی، اور اُحد کا دکھ سہنا پڑا، مگر رب نے فرمایا: ’’اللہ تمہیں ان سے بچا لے گا۔‘‘

ابوعبیدۃ: تم آلِ یاسر کے وارث ہو، جنہیں اللہ کے راستے میں اذیت دی گئی، مگر نبی نے انہیں خوشخبری دی: ’’صبر کرو آلِ یاسر، تمہاری ملاقات جنت میں ہوگی!‘‘

تمہارا صبر، قربانی، اور ظلم کے خلاف جرأت، تمہارے دشمنوں کو سب سے زیادہ اذیت دیتا ہے۔ جان لو! اس تاریک رات کا انجام ہے، فتح صبر کے ساتھ ہے، راحت تنگی کے بعد آتی ہے، اور ’’بیشک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے!‘‘

ابوعبیدۃ: ہم تمہارے صبر و استقامت کو سلام پیش کرتے ہیں! ہم تمہارے سروں کو بوسہ دیتے ہیں! اللہ کے اس وعدے کی بشارت دیتے ہیں:

’’اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اُس دن ایمان والے خوش ہوں گے اللہ کی مدد کے ساتھ۔‘‘

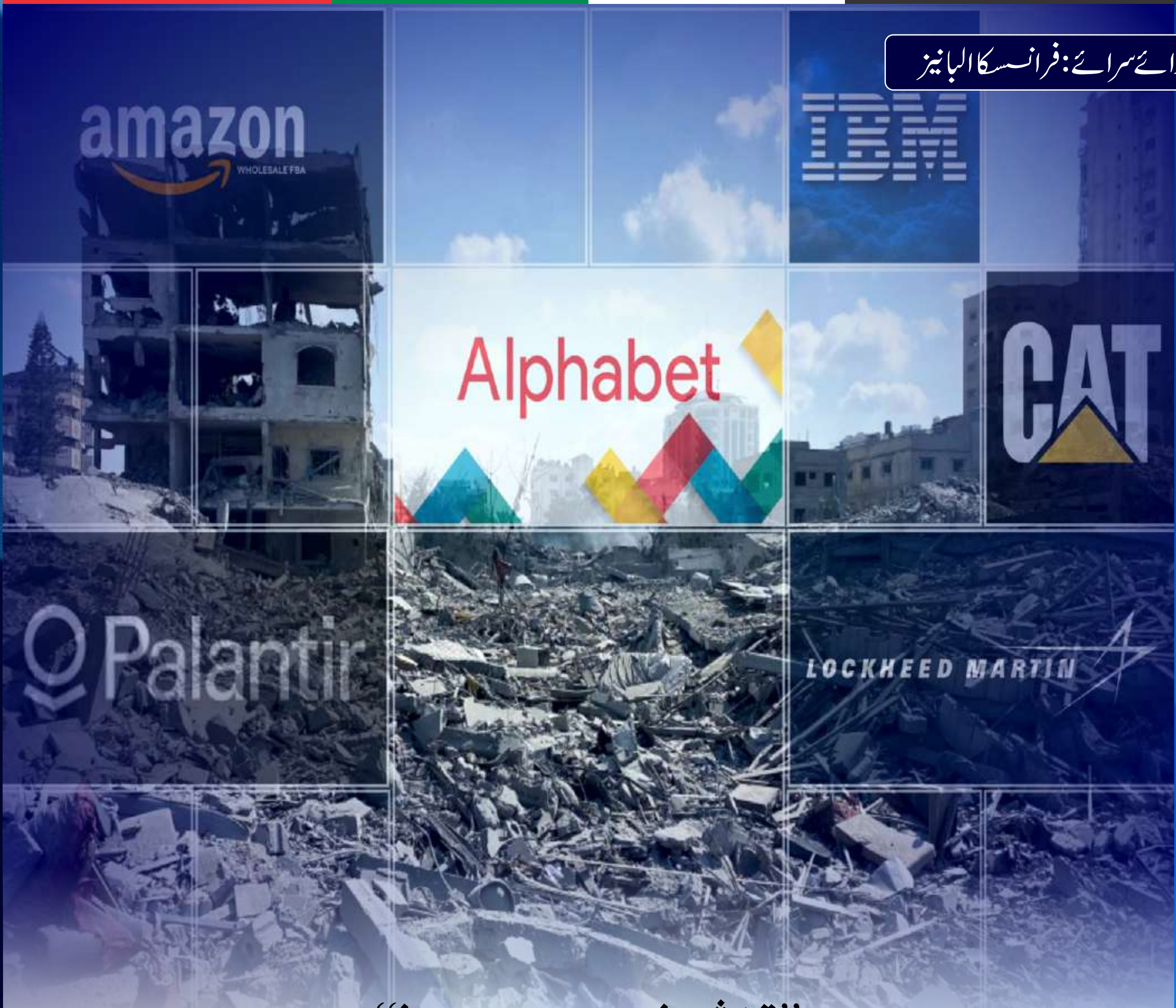

''تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے''

اسرائیل کی غزہ جنگ میں بین الاقوامی کمپنیوں کا شرمناک کردار

بھوک اور قحط زدہ فلسطینیوں کی نسل کشی میں اسرائیل کی شراکت دار اور مددگار بن جانے کے بعد یہ بین الاقوامی کمپنیاں بھی کروڑوں اربوں ڈالر کا نفع کما کر جنگی طوالت کی حامی بن گئیں۔

اسرائیل نے بھی فلسطینی سرزمین پر اپنے قبضے اور فلسطینیوں کے خون اور ہڈیوں کو اپنے لیے 'ریونیو جنریشن' کا بزنس بنالیا۔ یہ انکشافات اقوام متحدہ کی خصوصی ماہر اور اٹلی سے تعلق رکھنے والی انسانی حقوق کی سرگرم حامی خاتون فرانسسکا البانیز نے اقوام متحدہ کے دفتری ریکارڈ کی ضرورتوں کے علاوہ دنیا میں اب بھی انسانوں کی طرح سوچنے والے کچھ ملکوں اور بعض انسانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کے لیے رپورٹ مرتب کی ہے۔

واضح رہے ان بین الاقوامی کمپنیوں میں سے کسی ایک پر بھی سب سے بڑے عالمی ادارے، سب سے بڑے فورم یا کسی بڑی طاقت کے علاوہ انسانی حقوق کے علم بردار ملک نے پابندی لگانے اور دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کرنا تو درکنار اس بارے میں سوچا بھی نہیں ہے۔

دلچسپ بات ہے کہ یہ کمپنیاں اس فہرست میں بھی شامل نہیں جن کا غزہ میں بچوں اور عورتوں کے قتل عام پر برا منانے کے علامتی سے اظہار کے لیے بائیکاٹ کیا گیا یا اس سلسلے میں عوامی سطحوں پر کوشش کی گئی۔

اس رپورٹ میں ایسی ساٹھ بڑی کمپنیوں کو شامل کیا گیا ہے جو بظاہر ماورائے قانون اور اخلاقیات نظر آتی ہیں۔ بالکل قانون سازوں کی طرح قانون سے مضبوط تر۔

ان میں عالمی طاقتوں اور جی سیون کے امیر کبیر ملکوں وغیرہ سے تعلق رکھنے والی کمپنیاں بھی شامل ہیں اور بڑی معروف اور نامور یونیورسٹیاں و تعلیم گاہیں بھی۔ ''پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات۔''

رپورٹ کے مطابق سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں کشتوں کے پشتے لگانے کے لیے کام کرنے والی کمپنیاں بھی ہیں اور ادارے بھی۔ مالیاتی شعبے کی بین الاقوامی اور تکڑی کمپنیاں اور ادارے بھی غزہ میں جاری اس واردات کا حصہ ہی نہیں حصہ دار بھی ہیں۔ بظاہر خیراتی اور بھلائی کے کام کرنے والے نیک نام ادارے بھی ان میں شامل ہیں اور خالص مذہبی تعارف و شناخت کے حامل ادارے اور گروہ بھی پورے شعور کے ساتھ

فلسطینیوں کی اس نسل کشی میں اپنے حصے کا کام انجام دے رہی ہیں۔
اقوام متحدہ کی ماہر نے اس رپورٹ میں جن کمپنیوں کا نام لے کر ذکر کیا ہے ان کی تعداد 48 ہے۔ رپورٹ کے مطابق ان میں بین الاقوامی شہرت کے حامل ادارے بھی شامل ہیں جو ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔

- پلانٹیر ٹیکنالوجیز
- لاک ہیڈ مارٹن
- الفابیٹ (گوگل)
- ایمازون
- آئی بی ایم
- کیٹر پلر

مائیکروسافٹ اور ایم آئی ٹی بطور خاص شامل ہیں۔
علاوہ ازیں کئی نامور بنک بھی اس غزہ کی جنگ میں اسرائیل کی مدد کے لیے اپنے اپنے انداز سے موجود ہیں۔ ان میں بلیک راک انشورنس اینڈ رئیل اسٹیٹ کمپنی بھی ہے اور چیرٹی کے حوالے سے جانی جانے والی بھی شامل ہیں۔
رپورٹ میں ان سب کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو کر اور فلسطینیوں کی نسل کشی میں حصہ دار بن کر یہ ادارے اور کمپنیاں اربوں ڈالر کما رہی ہیں۔
اقوام متحدہ کی اس رپورٹ میں ایک ہزار سے زائد ایسی کاروباری اور کارپوریٹ فرموں کو بھی اسرائیلی فوج اور اسرائیل کی غزہ کے لیے معاون و مددگار بتایا گیا ہے۔ اگرچہ جنگی جرائم میں مدد دینے اور ملوث ہونے پر انہیں بھی عدالت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔
مگر یہ کمپنیاں رپورٹ کے مطابق غزہ میں اسرائیلی جنگ کی صورت حال کو اپنے لیے انتہائی کارآمد اور سودمند سمجھ رہی ہیں کہ اسرائیل کا فلسطین پر طویل قبضہ انہیں ڈالر کمانے کے لیے سازگار اور مواقع کی فراہمی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ یہ رسد اور طلب کا ایک ایسا ماحول ہے کہ طلب بھی بڑھ رہی ہے اور رسد کے اضافے میں بھی آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ نہ کوئی کڑی نگرانی، نہ کوئی اداراتی چیک، نہ کوئی پابندی نہ قدغن، کوئی قانون، نہ ضابطہ، اخلاقیات اور انسانی اقدار بھی قریب سے نہیں گزرتیں۔ بس سپلائی ہے اور کمائی ہے۔
ایک اور اضافی فائدہ اس رپورٹ نے ان کمپنیوں کے لیے یہ بتایا ہے کہ غزہ کی جنگ ان کے بہت سارے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی اور نتائج کو جانچنے کا اندھا موقع بن چکی ہے۔ کوئی ہتھیار کتنا بھی مہلک ہو اس کے غزہ میں استعمال پر کوئی چیز آڑے نہیں۔ نہ سرکاری نہ غیر سرکاری ادارہ رکاوٹ بنتا ہے۔ گویا ہر طرح سے کاروبار کے لیے مثالی موقع میسر ہے۔
رپورٹ میں غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ 'ہولوکاسٹ' کے بعد کے کیے گئے صنعت کاروں کے ٹرائلز اور جنوبی افریقہ میں بنائے گئے سچائی اور مصالحت کے لیے بنائے گئے کمیشن کے قانونی فریم ورک پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ آج کل بین الاقوامی جرائم میں ملوث کمپنیوں اور اداروں کی ذمہ داری کا تعین کیا جا سکے۔ نیز ان جرائم میں ملوث ہو جانے والی کمپنیوں کے ذمہ داروں کا بھی ٹرائل ہو سکے۔
فرانسسکا البانیز کا اپنی مرتب کردہ رپورٹ میں کہنا ہے غزہ میں نسل کشی نہیں رکی ہے کیونکہ یہ بہت سارے اداروں، کمپنیوں اور شخصیات کے لیے منافع کمانے کا بہت اہم موقع بن گیا ہے۔
بہت سی ملیں، ادارے، کمپنیاں، یونیورسٹیاں اور لوگ غزہ کی جنگ کو انسانی حقوق کا کوئی مسئلہ سمجھنے کے بجائے محض ایک کاروباری وینچر کی جگہ سمجھے ہوئے ہیں۔
حد یہ ہے کہ فلسطینیوں کے دوست سمجھے جانے والی ریاستیں اور کمپنیاں بھی کئی دہائیوں سے فلسطین پر قابض معیشت سے منافع کما کے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔
اسرائیل طویل عرصے سے فلسطین کی سرزمین، وسائل اور زندگیوں کا استحصال کر رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ دنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں کے ساتھ مل کر اپنی دولت میں بھی اضافہ کر رہا ہے۔ قبضے نے فلسطینیوں کی نسل کشی کو بھی اپنی معیشت بنا لیا ہے اور دنیا کی بڑی کمپنیوں کو بھی اس میں حصہ دار بنا کر ان کے لیے ترغیبات پیدا کر دی ہیں۔
البانیز نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا کہ اسرائیل نے غزہ میں جنگ شروع کر کے فلسطینیوں اور ان کی زمین کو اسلحے اور اسلحے کی ٹیکنالوجی کے حوالے سے ایک بہت بڑی اور کھلی لیبارٹری کی شکل دے دی ہے۔ جہاں ہتھیار بھی آزمائے جا رہے ہیں اور نگرانی کے آلات بھی، بارود کی مقدار بھی اور بارود کا معیار بھی سب آزمایا جا رہا ہے اور یہ بعد میں گلوبل ساؤتھ سے لے کر گلوبل نارتھ تک چلتا رہے گا۔
رپورٹ ان کمپنیوں کو ظاہر کرتی ہے جو اسرائیل کو ہتھیار اور ایسی مشینری فراہم کرتی ہے جس سے فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کیا جائے، سکول گرائے جائیں اور ہسپتال تباہ کرنے کے

علاوہ مساجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور زندگی کو تہس نہس کر دیا جائے۔

البانیز رپورٹ میں فلسطینی سرزمین کو ایک یرغمالی منڈی قرار دیا گیا ہے، اس میں ایک طرف اسرائیل نے مسلسل ناکہ بندی کر کے کھانے کی چیزوں تک کی ترسیل روک رکھی ہے اور دوسری جانب اپنی مرضی کے ہتھیاروں، بارود اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے ایک ایسی منڈی بنا دیا ہے جس کا کنٹرول اسرائیلی فوج کے پاس ہے اور اسرائیل کی اتحادی کمپنیاں اس سے منافع کما رہی ہیں۔

بین الاقوامی کمپنیاں جن کا اس رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے اس یرغمال بنائی گئی مارکیٹ سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ بے گھر اور بھوکے پیاسے فلسطینیوں کا مزدوری کے نام پر بھی استحصال کیا جا رہا ہے۔ جبکہ غزہ کے قدرتی وسائل کا رخ موڑا جا رہا ہے۔

اس طرح فلسطینی علاقے اسرائیلی قبضے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی کمپنیوں کے بھی ایک طرح سے قبضے میں آئی ہوئی مارکیٹ ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل اس سارے استحصال کا فائدہ اٹھا رہا ہے جبکہ اسرائیل کے ان استحصالی ہتھکنڈوں کو ممکن بنانے کے لیے فلسطین کی کل مجموعی پیداوار یعنی جی ڈی پی کا 35 فیصد خرچ آ رہا ہے۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مختلف بنکوں، املاک کے منتظمین، پنشن فنڈ کو ڈیل کرنے والے اور انشورنس کمپنیاں زیر قبضہ سرزمین اور یرغمال بنائی گئی معیشت کو اپنے لیے مفید بنا رہی ہیں۔ جبکہ یونیورسٹیاں فلسطینی سرزمین کو نو آبادیات کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے نو آبادیاتی سیاسی نظریے کی حمایت میں کھڑی ہیں۔ اس لیے ان کی سیاسی اور تکنیکی مہارتیں ساری کی ساری فلسطینیوں کے خلاف اور اسرائیل کے حق میں استعمال ہو رہی ہیں۔ گویا اسرائیل جس منظم تشدد کو جاری رکھے ہوئے ہے یہ سب اس کی حمایت کیے ہوئے ہیں۔

بعض کمپنیاں فلسطینیوں کی نگرانی اور قید کے لیے ٹیکنالوجیز استعمال کر رہی ہیں۔ اسی طرح بھاری بھرکم بلڈوزرز جو اس سے پہلے صرف مغربی کنارے میں فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کرتے تھے، اب باضابطہ طور پر اسرائیلی فوج کی جنگی حکمت عملی کے تحت غزہ میں بھی ایک ہتھیار کے طور پر بروئے کار ہیں۔

بمباری کے علاوہ غزہ شہر کو ملبے کا ڈھیر بنانے میں اسرائیلی فوج کے ان بلڈوزروں کا بھی گہرا دخل ہے۔ یہ اس لیے بھی استعمال کیے جا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے اتنی تباہی کر دی جائے کہ فلسطینی اس تباہ کن صورتحال کے بعد اپنے گھروں اور شہروں میں واپس آنے کا کبھی سوچ بھی نہ سکیں۔

رپورٹ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ فلسطینیوں اور ان کی سرزمین کو فوجوں کے آگے بڑھنے، بارود اور ہتھیار استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ فضائی صلاحیت کو آزمانے کے لیے ایک بہترین تجربہ گاہ کے لیے کام میں لایا جا رہا ہے۔

ان کی نگرانی کے لیے کیمرے اور ڈرون سب کچھ آزمایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ کے بنائے ہوئے ایف 13 طیارے بھی اب ان سارے ہتھیاروں اور اسلحے کو جنگ میں آزمائے ہوئے ٹیگ کے ساتھ فروخت کے لیے پیش کیا جا سکے گا۔

2022 سے لے کر اب تک اسرائیل دنیا میں آٹھواں اسلحہ کا بڑا خریدار اور فروخت کنندہ ملک بن چکا ہے۔ اسرائیلی کمپنیاں 'البٹ سسٹم' اور اسرائیل ایروسپیس کمپنی بین الاقوامی سطح پر اپنے کئی شراکت دار رکھتی ہیں۔ انہیں ایف 35 پروگرام کے حوالے سے امریکی کمپنی 'لاک ہیڈ مارٹن' بھی شامل ہے۔

بہت سے بین الاقوامی اسلحہ ساز اور طیارہ ساز اسرائیل کے ان منصوبوں میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ ایف 35 طیاروں کے لیے مختلف جگہوں سے پرزہ جات اور آلات فراہم کیے جا رہے ہیں۔

اکتوبر 2023 سے لے کر اب تک امریکہ کے ایف 35 اور ایف 16 جنگی طیارے ایک اندازے کے مطابق 85000 ٹن وزن کے مساوی بموں کا استعمال کر چکے ہیں۔

ان میں بہت سے بموں کی اکثریت 'ان گائیڈڈ' تھی۔ جس کی تباہی یقیناً اندھا دھند ہوتی ہے۔ انہیں بموں کی وجہ سے 179411 سے زیادہ فلسطینی زخمی ہو چکے ہیں اور غزہ پوری طرح تباہ ہے۔

میزائل چلانے والے اور نگرانی والے ڈرونز بھی ہر روز غزہ کی فضاؤں میں اڑتے ہیں۔ یہ آسمان سے برسنے والی موت کے آلے ہیں جنہیں اسرائیل فلسطینیوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔

ان ڈرونز کو اسرائیلی کمپنیوں 'البرٹ' اور 'آئی اے آئی' نے امریکی یونیورسٹی 'ایم آئی ٹی' کی مدد سے استعمال کیا ہے۔

اسی طرح جاپانی کمپنی 'فینک' ان مختلف کمپنیوں کو روبوٹ فراہم کرتی ہے جو اسرائیل کو جنگ میں مدد دے رہی ہیں۔ ان میں البرٹ، آئی اے آئی اور امریکی مارٹن بھی شامل ہے۔

بین الاقوامی سطح پر جہاز رانی کے شعبے میں نام کمانے والی کمپنیاں 'ڈنمارک، اے پی مولر،

مارسک' بھی اسرائیلی جنگ میں اس کی مددگار کے طور پر اسلحے کی ترسیل میں کام آ رہی ہیں۔ اسلحے کے علاوہ یہ جہاز ران کمپنیاں بارودی خام مال کے علاوہ مختلف جنگی جہازوں اور دیگر مشینوں کے آلات بھی لانے کا اکتوبر 2023 سے ذریعہ ہیں۔

رپورٹ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسرائیل نے 2023 اور 2024 کے دوران 65 ارب ڈالر سے زیادہ کے اخراجات کیے ہیں اور اس کے اب تک کے اخراجات 5.46 ارب ڈالر تک چلے گئے ہیں۔ یہ دنیا میں جنگی اخراجات کے حوالے سے فی کس کے حساب سے بلند ترین رقم ہے۔

اسرائیلی اخراجات کی اس بڑھوتی کی وجہ سے اسلحہ بنانے والی بین الاقوامی کمپنیاں ایک بہت بڑا منافع کما رہی ہیں۔ اسی طرح ٹیکنالوجی سے متعلق کمپنیاں، ان کا منافع بھی غیر معمولی حد تک بڑھ گیا ہے کہ وہ ڈیٹا بھی فراہم کر رہی ہیں اور نگرانی کے لیے بھی خدمات پیش کر رہی ہیں۔ تاکہ قبضے کو جاری رکھنے کے لیے اسرائیل ان دونوں سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ ان سہولتوں میں کیمرے، بائیومیٹرک نگرانی، سمارٹ چیک پوائنٹس، ڈرونز اور دیگر آلات شامل ہیں۔ جنہیں مصنوعی ذہانت کے ذریعے فراہم کردہ ڈیٹا سے بروئے کار رکھا گیا ہے اور اسرائیلی فوج کو ایک تجزیاتی مدد دی گئی ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عام طور پر اسرائیلی ٹیکنالوجی کمپنیاں فوجی انفراسٹرکچر کے حوالے سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ 'این ایس او گروپ' اسرائیل کے یونٹ 8200 کے سابق ارکان نے قائم کیا ہے۔

اسی طرح اسرائیل کی جاسوسی آلات بنانے والی کمپنی 'پیگاسس' فلسطینی انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والوں کی جاسوسی کے لیے خدمات سر انجام دیتی ہیں۔ نیز فلسطینی رہنماؤں، صحافیوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں اور فلسطین کاز کے لیے کام کرنے والے دیگر افراد کو نشانہ بنا رہی ہیں۔

 آئی بی ایم نے جس طرح ماضی میں نازیوں کے ساتھ تعاون کیا تھا اور انہیں جرمنی میں اپنی کارروائیوں کو مستحکم کرنے میں مدد دی تھی اب وہی 'آئی بی ایم' اسرائیل اور اس کے عسکری و انٹیلی جنس اداروں کو اسی طرح مدد دے رہی ہے۔ اسرائیلی فوج کا یونٹ 8200 بطور خاص اس 'آئی بی ایم' سے مدد لیتا ہے۔

 آئی بی ایم کی مدد سے ہی اسرائیل امیگرنٹس کے ڈیٹا بیس کو مرتب کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اسی 'آئی ابی ایم' کی فراہم کردہ سہولتوں کے باعث فلسطینیوں کی نگرانی و مانیٹرنگ ممکن بنائی گئی۔

مائیکروسافٹ کمپنی اسرائیل کے لیے 1989 سے کام کر رہی ہے۔ اس کی مدد بطور خاص اسرائیلی جیلوں، پولیس، یونیورسٹیوں اور یہودی بستیوں کے لیے 2003 سے بروئے کار ہے۔ یہ ادارہ سول و ملٹری ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے سائبر سکیورٹی سے متعلق 'سٹارٹ اپس' کو 2021 سے دیکھ رہا ہے۔

اسرائیل نے 'گوگل کے الفابیٹ' اور ایمازون کو 2.1 ارب ڈالر کے ٹھیکے دیے ہیں کہ وہ اسرائیل کے 'نمبس پروجیکٹ' کے لیے کلاؤڈ انفراسٹرکچر تیار کر سکے۔ یہ اسرائیلی وزارت دفاع کا منصوبہ ہے۔ اسی طرح اسرائیل نے مصنوعی ذہانت کے سسٹم جن میں لیوینڈر، گوسپیل اور ویئر از مائے فادر طرح کے پروگرام شامل ہیں انہیں ڈیٹا بیس کی بنیاد پر تیار کروایا ہے تاکہ اپنے اہداف کو آسانی سے تلاش کر سکے اور ایک جدید جنگی طریقہ اختیار کر سکے۔

اس لیے ان سارے حقائق کی بنیاد پر یہ یقین کرنے کا جواز موجود ہے کہ پلانٹیر نے اسرائیل کو خودکار پولیس سسٹم بنانے میں اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے دفاعی انفراسٹکچر دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اسی کی مدد سے فوجی ضرورتوں کے لیے سافٹ ویئر کی تیاری کا کام تیز ہوا اور اسی کی مدد سے مصنوعی ذہانت کے پلیٹ فارم کو میدان جنگ میں تیزی سے فیصلوں کے لیے بروئے کار لایا گیا۔

اپریل 2025 میں اس کمپنی کے سربراہ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان کی کمپنی غزہ میں زیادہ تر دہشت گردوں کو مارنے کا کام کر رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس ٹیکنالوجی کا استعمال نوآبادیاتی مقاصد کے لیے کیا گیا ہے۔ اسرائیلی فوج نے فلسطینیوں کے گھروں اور کھیتوں کو تباہ کرنے کے لیے بین الاقوامی کمپنیوں کے فراہم کردہ آلات کا استعمال کیا ہے۔

اکتوبر 2023 میں ہی اسرائیلی فوج نے غزہ کی 70 فیصد عمارتوں اور 81 فیصد زرعی اراضی کو تباہ کر دیا تھا۔ 'کیٹر پلر' اسرائیلی فوج کو بلڈوزر فراہم کرتی ہے۔ ان بلڈوزروں کی مدد سے اسرائیلی فوج نے فلسطینیوں کے گھروں، مساجد اور ہسپتالوں کو ملبے کا ڈھیر بنایا ہے۔

اسرائیل نے 'ڈی 9' بلڈوزر سال 2000 کے بعد مسلسل استعمال کیے ہیں۔ یہ بلڈوزر کورین کمپنی 'ہنڈائی'، دوسن اور سویڈش کمپنی 'وولوگروپ' کے ہیں۔ جن کی مدد سے اسرائیلی فوج فلسطینیوں کی املاک کو تباہ کرتی ہے۔

نیز ان کورین اور سویڈش کمپنیوں نے فلسطینی انفراسٹرکچر، توانائی اور زرعی پیداوار کو تباہ کیا ہے۔ نیز فلسطینی علاقوں میں 371 ناجائز یہودی بستیوں اور چوکیوں کی تعمیر کا کام بھی ان کمپنیوں کی مدد و تعاون سے کیا گیا۔ تاکہ فلسطینیوں کو بے گھر کیا جا سکے۔

اسرائیل کے ان منصوبوں میں جرمن کمپنی 'ہائیڈلبرگ میٹیریلز' کی ذیلی کمپنی ہینسن اسرائیل بھی شامل ہے۔ مغربی کنارے میں ناجائز یہودی بستیوں کی تعمیر کے لیے مغربی کنارے کی کانوں کو لوٹا گیا۔ یہ لوٹ مار لاکھوں ٹن ڈولومائٹ کی گئی۔ علاوہ ازیں ان کمپنیوں نے یہودی بستیوں کو اسرائیل سے ملانے کے لیے سڑکوں کی تعمیر میں بھی حصہ لیا ہے۔

عالمی رئیل سٹیٹ کمپنیوں نے فلسطینیوں کی املاک اور جائیدادیں اسرائیلیوں کو فروخت کی ہیں۔ ان کمپنیوں میں 'کیلر ولیمز رئیلٹی' شامل ہے جس نے کینیڈا اور امریکہ میں رئیل سٹیٹ شوز کا انعقاد بھی کیا۔

• بکنگ ڈاٹ کام، اور ایئر بی این بی، ناجائز یہودی بستیوں میں جائیداد کی خرید و فروخت کرتی ہیں۔ چینی کمپنی 'برائٹ ڈیری' اسرائیلی کمپنی 'تنئووا' کے کئی حصص رکھتی ہے۔ یہ جائیداد مغربی کنارے کے فلسطینیوں سے چھینی گئی ہے۔

چیورون قدرتی گیس لیویاتھا اور تمار کے گیس فیلڈز سے نکالتا ہے۔ اس سلسلے میں کنسورشیم نے 453 ملین ڈالر ٹیکسوں کی صورت میں اسرائیلی حکومت کو ادا کیے ہیں۔ کیونکہ یہ اسرائیل کی گیس کی ضروریات سے 70 فیصد زیادہ ہے۔

شیورون اور بی پی اسرائیل کو سب سے زیادہ مقدار میں خام تیل فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آذربائیجان کی پائپ لائن اور قازق پائپ لائن بھی ہے۔

یہ سارے وسائل اسرائیل کے قبضے کو برقرار اور مضبوط کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ غزہ میں جنگ کو جاری رکھنے میں ان وسائل کا اہم کردار ہے۔

عالمی بنکوں نے اس سے پہلے ہی اسرائیلی بانڈز خرید کر غزہ میں فلسطینیوں کی نسل کشی میں اسرائیل کی مدد کی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ بلاشبہ 2022 سے 2024 کے درمیان اسرائیلی فوجی اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

اسرائیلی فوجی بجٹ جو اس سے پہلے اسرائیلی جی ڈی پی کا 2.4 فیصد تھا اب 3.8 فیصد ہو چکا ہے۔ جبکہ جنگ ابھی جاری ہے۔ نتیجتاً اسرائیلی بجٹ خسارہ 8.6 فیصد ہو گیا ہے۔ اسرائیل نے اپنے بڑھتے ہوئے خسارے اور اخراجات کے باعث 2024 اور 2025 کے دوران مجموعی طور پر 13 ارب ڈالر کے بانڈز جاری کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اسرائیل کے سب سے بڑے مدد گاروں اور تعاون کاروں میں بی این پی پاریباس، بارکلیز اور اثاثوں کے لیے بندوبستی ادارے بلیک راک 68 ملین ڈالر کے ساتھ، وہن گارڈ 546 ملین ڈالر اور ایلی ناز پمکو 960 ملین ڈالر کے ساتھ نمایاں ہیں۔

اسرائیل کی اس جنگی سلسلے میں مذہبی خیراتی ادارے بھی جنگی گاڑی کو چلانے کے لیے پہیوں کا کام کر رہے ہیں۔ ان مذہبی خیراتی اداروں کا یہ امدادی سلسلہ اس کے باوجود جاری ہے کہ اس نوعیت کی فنانسنگ ممنوع ہے۔

اسرائیلی جنگ میں مدد دینے والی کمپنیوں کے ساتھ ان مذہبی اداروں میں جیوش نیشنل فنڈ اور اس کی بیس ذیلی تنظیمیں اسرائیلی فوج سے جڑی ضرورتوں کے لیے اکتوبر 2023 سے فنڈنگ کر رہی ہیں۔ یہ فنڈز اسرائیلی فوجیوں اور ان سے جڑی یہودی بستیوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

امریکہ سے تعلق رکھنے والے اسرائیل کے مسیحی دوستوں کی تنظیم اور ہالینڈ کے مسیحیوں کی اسرائیل سے اظہار دوستی کے لیے بنی تنظیمیں 2023 میں 25.12 ملین ڈالر کی رقم کے ساتھ مدد کے ساتھ موجود رہیں۔ تاہم مذہبی تنظیموں کی جنگی سرپرستی اور نسل کشی میں تعاون پر کوئی اعتراض کرنے والا سامنے آیا نہ کسی نے مذہبی جماعتوں کی اس فنڈنگ کے تانے بانے مسلم دشمنی سے ملائے۔

فرانسسکا البانیز کی مرتب کردہ اس رپورٹ میں بعض یونیورسٹیوں کی طرف سے اسرائیل کے جنگی اداروں اور فوج کے ساتھ شراکت کار اور تعاون پر تنقید کی گئی ہے۔ ان یونیورسٹیوں میں ایم آئی ٹی بطور خاص شامل ہے جو اسرائیل کی فوج کے لیے جاسوسی و نگرانی کے آلات اور جنگی ہتھیاروں کی تیاری کے مشترکہ منصوبے جاری رکھے ہوئے ہے۔

یقیناً اسرائیلی فوج اتنے بڑے پیمانے پر فلسطینیوں کی نسل کشی کی پوزیشن میں نہ ہو سکتی تھی۔ خصوصاً اس بے دریغ انداز میں اربوں ڈالر کی ملنے والی امداد جنگی ہتھیار اور جنگی ٹیکنالوجی کے علاوہ ٹرانسپورٹیشن کے شعبے میں بھی اسرائیل کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے رہنا امریکی اور بہت سے اتحادی ممالک بشمول مغربی مملک اور ایشیائی ممالک نے اپنا فرض عین سمجھا۔ انہی کی طرح کاروباری کمپنیوں، بنکوں، مالی اداروں، خیراتی و مذہبی اداروں کے علاوہ جنگی ہتھیار ساز کمپنیوں اور ٹیکنالوجی بشمول مصنوعی ذہانت کے شعبے کے سب جدید ادارے اس جنگ کی منظر کشی کرنے والی رپورٹ میں اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔

زاویۂ نظر: وسعت اللہ خان

فلسطینی خون کے خریدار دنیا بھر میں ہیں

اسرائیلی اسلحے کا سب سے بڑا گاہک یورپ ہے۔

اسرائیل نے گزشتہ برس یورپ کو 2023ء کے مقابلے میں 21 فیصد زائد اسلحہ فروخت کیا

عالمی برادری کی جانب سے نمائشی ٹسوے یا مگر مچھ کے آنسو اپنی جگہ۔ اسرائیل کے عسکری بائیکاٹ کی ہفتہ وار سرکاری انگڑائیاں بھی زبردست ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسمی بیان بھی خوش آیند ہے کہ اسرائیل نے نسل کش پالیسی کو لگام نہ دی تو ہم (فرانس، ناروے اور دیگر یورپی ممالک) آزاد فلسطین کو تسلیم کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے اور اقتصادی پابندیاں نافذ کرنے پر بھی ''سنجیدگی'' سے غور کرتے رہیں گے۔

مگر عملی تصویر یہ ہے کہ اسرائیل دو ہزار تیئیس کے مقابلے میں دو ہزار چوبیس میں مذمتی دنیا کو لگ بھگ بارہ فیصد زائد اسلحہ فروخت کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ان سودوں کی مالیت تقریباً پندرہ بلین ڈالر رہی۔

اسرائیلی اسلحے کا سب سے بڑا گاہک یورپ ہے۔ اسرائیل نے گزشتہ برس یورپ کو دو ہزار تیئیس کے مقابلے میں اکیس فیصد زائد اسلحہ فروخت کیا۔ ایک بڑی وجہ یوکرین روس جنگ کے سبب یورپ میں تیزی سے بڑھتا احساسِ عدم تحفظ بتایا جاتا ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ ٹرمپ نے ہر آڑے وقت میں یورپ کے شانہ بشانہ کھڑے رہنے کی اب تک کی تاریخی امریکی پالیسی کو اپنے صبح شام بدلتے بیانات سے متزلزل کر دیا ہے۔

چنانچہ یورپ کو ٹرمپ کی خوشنودی کے لیے بادلِ نخواستہ اپنے دفاعی بجٹ کو نہ صرف قومی آمدنی کے موجودہ ڈیڑھ فیصد سے ڈھائی فیصد کی سطح تک لے جانا پڑا ہے بلکہ اپنی اسلحہ سازی کی صنعت میں بھی توسیع کرنا پڑ رہی ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد سے یورپ زیادہ تر امریکی ہتھیاروں پر ہی تکیہ کرتا آیا ہے مگر اب یہ اعتماد گڑبڑا چکا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یورپی ممالک کو روس کے مقابل اپنی دفاعی ضروریات کے لیے جتنا سامان درکار ہے اس کی فی الوقت رسد طلب سے کم ہے۔

ان حالات میں بلی کے بھاگوں گویا چھینکا ٹوٹ گیا۔ اسرائیل حالیہ برسوں میں امریکی ٹیکنالوجی تک مسلسل رسائی اور اشتراک کے سبب ہائی ٹیک ہتھیاروں کی تیاری کے میدان میں تیزی سے ابھرا ہے۔ آج اسرائیلی دفاعی صنعت سینہ ٹھونک کر بجا طور پر دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا سامان حقیقی میدانِ جنگ میں آزمایا ہوا ہے (یعنی فلسطینیوں پر تجربہ کیا گیا ہے)۔ نسل کشی میں کام آنے والے ہتھیاروں کی اس سے بہتر مارکیٹنگ اور کیا ہو سکتی ہے۔

جرمنی نے اسرائیل ایروسپیس انڈسٹری (آئی اے آئی) سے اینٹی میزائیل ایرو سسٹم کی خریداری کے لیے ساڑھے تین ارب ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔ جب کہ امریکی اسلحے کے بعد اسرائیل سب سے زیادہ جرمن اسلحہ استعمال کرتا ہے۔

فن لینڈ نے اسرائیلی کمپنی رافیل ہائی ٹیک سسٹمز کے ساتھ اینٹی میزائیل سسٹم ڈیوڈ سلنگ کی خریداری کے لیے ساڑھے تین سو ملین ڈالر کا سودا کیا ہے۔ یونان نے رافیل اور آئی اے آئی گروپ سے دو ارب ڈالر کے دفاعی آلات خریدنے کا سمجھوتہ کیا ہے۔ سلوواکیہ نے آئی اے آئی سے پانچ سو ملین ڈالر مالیت کے براک میزائیل خریدے ہیں۔ نیدرلینڈز اور ڈنمارک نے ایلبیت کمپنی سے بھاری توپوں کی خریداری کا ایک ارب ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک نے اسرائیلی سپائک میزائل، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے تحفظ کے ٹرافی سسٹم اور ڈیجیٹل آلات کی خریداری میں گہری دلچسپی ظاہر کی ہے۔

ایشیا میں اسرائیلی اسلحے کے سب سے بڑے خریدار بھارت اور ویتنام ہیں۔ جب کہ شمالی افریقہ میں مراکش نے ایک ارب ڈالر مالیت کے ہتھیاروں کا سودا کیا ہے۔ اسرائیل سے اسلحہ لینے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ امریکی کمپنیوں کا اوسطاً ڈیلیوری ٹائم پانچ سے سات برس ہے جب کہ اسرائیلی کمپنیاں دو سے تین برس میں آرڈر مکمل کر لیتی ہیں۔ ان کی ٹیکنیکل سپورٹ کا معیار بھی امریکیوں سے بہتر ہے۔

یورپی ممالک کا اسرائیلی کمپنیوں پر بڑھتا دارومدار اس بات کی ضمانت بھی ہے کہ بھلے رائے عامہ کچھ بھی کہتی رہے۔ مگر ان ممالک کی اسٹیبلشمنٹ اسرائیل سے اسلحے کی تجارت اپنے پالیسی مفاد میں برقرار رکھے گی۔

جن گنی چنی یورپی ریاستوں نے اسرائیل کا دفاعی بائیکاٹ کیا ہے ان کی اسرائیل سے دفاعی تجارت ویسے بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسرائیل سے دفاعی تجارت کرنے والے بڑے یورپی ممالک (برطانیہ، فرانس، اٹلی، نیدرلینڈز وغیرہ) پر اگر بہت ہی زیادہ عوامی دباؤ بڑھا تو کچھ علامتی اقدامات ہو سکتے ہیں۔ رائے عامہ کا غصہ ٹھنڈا ہونے تک فوجی درآمد و برآمد کو تھرڈ پارٹی کے ذریعے قائم رکھا جا سکتا ہے یا اس تجارت کی تشہیر محدود کی جا سکتی ہے۔

مثلاً امریکی لاک ہیڈ کمپنی کا ایف تھرٹی فائیو طیارہ غزہ پر بمباری کے بعد زیادہ مشہور ہوا۔ اس کے کل پرزے اسرائیل اور نیدرلینڈز سمیت کئی ممالک میں تیار ہوتے ہیں اور پھر انھیں امریکا میں لاک ہیڈ کے ہینگرز میں مکمل طور پر اسمبل کیا جاتا ہے۔

بائیکاٹ کی تپش سے بچنے کے لیے معروف ڈینش شپنگ کمپنی مرسک اسرائیلی بندرگاہ اشدود تک خالی کنٹینرز لاتی ہے اور ان کنٹینرز میں ایف تھرٹی فائیو طیارے کے اسرائیل میں تیار ہونے والے ونگز لوڈ کر کے نیدرلینڈز کی بندرگاہ روٹرڈم لایا جاتا ہے۔ وہاں ایف تھرٹی فائیو کے نیدرلینڈز میں بننے والے پرزے اور حصے بھی لوڈ کیے جاتے ہیں اور پھر اس سامان کو فائنل اسمبلنگ کے لیے امریکا پہنچایا جاتا ہے اور ان میں سے متعدد طیارے لاک ہیڈ کی فیکٹری سے براہِ راست اسرائیل بھیج دیے جاتے ہیں۔

اگرچہ گزشتہ برس نیدرلینڈز کی ایک اعلیٰ عدالت نے اسرائیل کو برآمد کیے جانے والے ایف تھرٹی فائیو کے مقامی طور پر بننے والے فاضل پرزوں کی فراہمی پر پابندی لگا دی تھی مگر حکومت نے یہ چور دروازہ نکالا کہ ہمیں کیا پتہ کہ ہم جو فاضل پرزے امریکا بھیج رہے ہیں وہ کس ملک کو فروخت ہونے والے طیاروں میں لگیں گے۔

مگر امریکا کی سلیکون ویلی یورپ کی طرح دوہرے معیار برتنے کے بجائے نسل کشی کی گنگا میں کھل کے نہا رہی ہے۔ اکثر سلیکون ویلی کمپنیاں اسرائیلی کمپنیوں کی قریبی شراکت دار ہیں۔ مائیکروسافٹ، گوگل اور ایمیزون سمیت امریکی اور اسرائیلی ہائی ٹیک افرادی قوت حسبِ ضرورت دونوں ملکوں میں مشترکہ کنٹریکٹس پر کام کرتی ہے۔ متعدد امریکی کمپنیوں کے ریجنل دفاتر یروشلم اور تل ابیب میں قائم ہیں۔ اسرائیلی کمپنیوں اور اسٹارٹ اپس میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری امریکی کمپنیوں اور یونیورسٹیوں کی ہی ہے۔

گزرے مارچ میں گوگل نے ایک اسرائیلی سائبر سیکیورٹی کمپنی یونیکارن وز بتیس ارب ڈالر نقد میں خرید لی۔ گوگل اور خود اسرائیلی ہائی ٹیک صنعت کی تاریخ کا یہ سب سے بھاری سودا ہے۔

اس سے پہلے دو ہزار سترہ میں امریکی کمپنی انٹیل نے یروشلم میں قائم اسرائیلی ہائی ٹیک کمپنی موبیلائے ساڑھے پندرہ ارب ڈالر میں خریدی تھی۔ ان سودوں سے اسرائیل کو یہ فائدہ ہوا کہ دنیا پر اس کی ہائی ٹیک ہنرمندی کی اضافی دھاک بیٹھ گئی اور آرڈرز کی بارش ہونے لگی۔

اسرائیل کو اپنا ہنر اور فلسطینیوں کا خون بیچنا بخوبی آتا ہے۔ خریدار پوری دنیا ہے۔

[بشکریہ روزنامہ ایکسپریس]

براہ راست رپورٹ: ثامر بل

غسان کنفانی: قلم کا مجاہد، مزاحمت کی آواز

''آج ہم نے ایک فکری سپہ سالار سے نجات حاصل کی۔ غسان اپنے قلم سے ایک ہزار مسلح فدائیوں سے زیادہ خطرناک تھا۔'' یہ الفاظ تھے گولڈا مائر، سابق اسرائیلی وزیر اعظم، غسان کنفانی کی شہادت کے بعد

غسان کنفانی فلسطین کی جدوجہد کا وہ لازوال کردار ہیں جنہوں نے اپنے قلم کو بندوق بنا کر ظلم کے ایوانوں کو لرزہ براندام کیا۔ وہ ایک ادیب، انقلابی، اور مفکر تھے جنہوں نے اپنی تحریروں سے فلسطینیوں کے دکھ، جلاوطنی کی اذیت، اور واپسی کی تڑپ کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان کا قلم صرف الفاظ نہیں، بلکہ مزاحمت کی ایک ایسی آواز تھا، جو آج بھی فلسطین کی گلیوں میں گونجتی ہے۔ ان کی زندگی اور شہادت ہر اس شخص کے لیے مشعلِ راہ ہے جو سچ اور انصاف کے لیے لڑنا چاہتا ہے۔

ان کی تحریروں نے نہ صرف فلسطینیوں کے دکھ کو دنیا تک پہنچایا بلکہ ہر مظلوم قوم کے لیے ایک عظیم پیغام چھوڑا: ''اگر تمہارے پاس ہتھیار نہیں، تو اپنا قلم بندوق بنا لو!''

ابتدائی زندگی: نکبت کا زخم

غسان کنفانی 9 اپریل 1936 کو فلسطین کے تاریخی شہر عکّا میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن اس وقت تباہ ہوا جب 1948 کی نکبت نے ان کے خاندان کو اپنا گھر، وطن، اور شناخت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ صرف 12 سال کی عمر میں وہ اپنے خاندان کے ساتھ پہلے لبنان اور پھر دمشق ہجرت کر گئے۔ اجنبیت، غربت، اور بے وطنی کے یہ تجربات ان کے ادب کا بنیادی رنگ بنے، جو بعد میں ان کی تحریروں میں جلاوطنی اور واپسی کی تڑپ کے طور پر نمایاں ہوئے۔

تعلیم اور فکری سفر

دمشق یونیورسٹی سے عربی ادب میں ڈگری حاصل کرنے والے غسان نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ان کا مقالہ ''ادب صہیونی میں نسل اور مذہب کا کردار'' ان کی فکری گہرائی اور فلسطینی قضیے سے گہری وابستگی کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے کویت میں تدریس کے دوران فلسطینی طلبہ کو تعلیمی رہنمائی بھی فراہم کی، جہاں ان کی ملاقات اپنی ڈنمارکی بیوی اینّے سے ہوئی، جو ان کی جدوجہد کی ساتھی بنیں۔

ادبی کارنامے: الفاظ کی مزاحمت:

غسان کنفانی نے اپنی مختصر سی زندگی میں 18 سے زائد کتابیں تحریر کیں، جن میں ناول، افسانے، ڈرامے، اور تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ ان کی تحریروں کا مرکزی موضوع فلسطینیوں کی جلاوطنی، ظلم کے خلاف مزاحمت، اور اپنی سرزمین کی واپسی کی امنگ ہے۔

ان کی چند شہرہ آفاق تصانیف یہ ہیں:

1. رجال فی الشمس (مرد آفتاب میں): ایک شاہکار ناول جو جلاوطنی اور شناخت کے بحران کی عکاسی کرتا ہے۔
2. ما تبقّی لکم (تمہارے لیے کیا بچا): ایک ایسی کہانی جو فلسطینی عورت کی جدوجہد اور قربانی کو خراج پیش کرتی ہے۔
3. عائد إلی حیفا (حیفا کی طرف لوٹتے ہوئے): وطن کی یاد اور کھوئی ہوئی شناخت کا درد بھرا مرثیہ۔
4. أرض البرتقال الحزین (اداس نارنگیوں کی سرزمین): فلسطینی دیہات کی تباہی اور مہاجرت کا کرب ناک احوال۔
5. عن الرجال والبنادق (بندوقوں اور مردوں کے بارے میں): مزاحمت کی علامت۔
6. فارس فارس: طنزیہ ادب کا ایک منفرد نمونہ۔

ان کی تحریریں محض کہانیاں نہیں، بلکہ فلسطینیوں کے اجتماعی شعور کی آواز ہیں۔ وہ اپنے قلم سے ہر اس شخص کو جگاتے ہیں جو ظلم کے سامنے خاموش رہتا ہے۔ ان کا مشہور قول ہے:

"ادب مزاحمت کا محض ہتھیار نہیں، خود ایک مزاحمت ہے۔"

سیاسی جدوجہد: ایک عملی انقلاب:

غسان کنفانی صرف ایک ادیب ہی نہیں، بلکہ ایک سرگرم سیاسی کارکن بھی تھے۔ وہ حزب القومیین العرب سے وابستہ رہے اور بعد میں الجبہۃ الشعبیۃ لتحریر فلسطین (PFLP) کے سیاسی دفتر کے رکن بنے۔ وہ تنظیم کے ترجمان اور رسالے الحریۃ کے ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے فدائی کارروائیوں کی حمایت کی، مگر ان کا اصل ہتھیار ان کا قلم تھا، جس سے وہ دنیا بھر میں فلسطینیوں کی آواز بلند کرتے رہے۔

شہادت: قلم کی طاقت پر مہر:

8 جولائی 1972 کو بیروت میں صیہونی خفیہ ایجنسی موساد نے غسان کنفانی کی کار میں بم نصب کر کے انہیں شہید کر دیا۔ اس دھماکے میں ان کی 17 سالہ بھتیجی لمیس بھی شہید ہوئی۔ غسان کی عمر اس وقت صرف 36 سال تھی، لیکن انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں وہ کارنامے سرانجام دیے جو صدیوں تک زندہ رہیں گے۔ گولڈا مائر کا بیان ان کے قلم کی طاقت کا اعتراف تھا کہ وہ ایک ہزار مسلح فدائیوں سے زیادہ خطرناک تھے۔

ورثہ: ایک لازوال پیغام:

غسان کنفانی کی شہادت کے بعد ان کی اہلیہ اینے اور بچوں، فائز اور لیلی، نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ آج بھی ان کی تحریریں فلسطینی مزاحمت کی علامت ہیں۔ ان کا پیغام ہر اس شخص کے لیے ہے جو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتا ہے: "لا تموتوا قبل أن تكونوا شهداء على الظلم۔" (ظلم کے گواہ بننے سے پہلے مت مرو۔)

غسان کنفانی کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ قلم کی طاقت بندوق سے کم نہیں۔ ان کا ادب آج بھی فلسطین کے زخموں کی ترجمانی کرتا ہے اور ہر مظلوم قوم کو مزاحمت کی راہ دکھاتا ہے۔

آج کے لیے سبق:

آج جب فلسطین ایک بار پھر خون میں نہا رہا ہے، غسان کنفانی کا قلم ہمیں جگاتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ خاموشی موت ہے اور مزاحمت زندگی۔ آئیے، ان کے پیغام کو زندہ رکھیں اور اپنے اپنے محاذ پر سچ کے لیے لڑیں۔

فلسطین کیلئے 41 سال قید کاٹنے والا مسیحی!!

تقریباً اکتالیس برس فرانس کی جیلوں میں قید رہنے کے بعد لبنانی شہری جورج عبداللہ آج جمعہ کے روز وطن پہنچ گیا۔ بیروت ایئرپورٹ پر اس کا استقبال ایک بھرپور عوامی ہجوم نے کیا، جس کی آنکھوں میں خوشی، فخر اور جدوجہد کا عکس نمایاں تھا۔ دلچسپ امر یہ کہ اس کی رہائی کی تاریخ اصل میں ہفتے کے لیے مقرر تھی، مگر اچانک اسے ایک دن پہلے منتقل کر دیا گیا، اس کے اہلِ خانہ اور ساتھیوں کے مطابق، اس کا مقصد ممکنہ جشنِ استقبال کو مدھم کرنا تھا۔ جورج عبداللہ فرانس میں طویل ترین قید کاٹنے والے قیدیوں میں شامل تھے۔ انہیں 1984 میں گرفتار کیا گیا اور 1987 میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ ان پر امریکی سفارتکار چارلس رابرٹ ڈائی اور اسرائیلی سفارتکار یعقوب برسیمانتوف کے 1982 میں قتل اور 1984 میں امریکی قونصل پر قاتلانہ حملے کی کوشش کا الزام تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ عبداللہ نے 1999 ہی میں مشروط رہائی کے تمام قانونی تقاضے پورے کر لیے تھے، مگر اس کے باوجود بار بار اس کی رہائی کو مؤخر کیا جاتا رہا۔ ہر بار عدالتی کمیشن ان سے یہی پوچھتا رہا: "اگر فلسطین آزاد نہ ہوا تو وہ کیا کریں گے؟ ان کا فلسطین سے کیا رشتہ ہے؟

ان کے جوابات نے واضح کر دیا کہ وہ ذہنی یا نفسیاتی طور پر رہا ہونے کے لیے "تیار" نہیں، کیونکہ وہ اب بھی فلسطین کے حامی ہیں۔ فرانس کی ایک عدالت نے 25 جولائی 2024 کو ان کی رہائی کا حکم سنایا، حالانکہ وہ پہلے ہی کئی بار رہائی کے قانونی معیار پر پورے اُتر چکے تھے۔ فرانس کی حکومت نے ہر بار اس فیصلے کو ملتوی یا مسترد کرایا، جس پر لبنان میں انہیں سیاسی قیدی تسلیم کیا گیا۔

فرانسیسی عدالت میں انہوں نے صاف کہا: "میں مجرم نہیں، ایک انقلابی ہوں۔" انہوں نے قتل کے الزامات کا اقرار کبھی نہیں کیا اور کہا کہ یہ مزاحمتی کارروائیاں تھیں، اسرائیلی و امریکی استبداد کے خلاف، جو لبنان میں خانہ جنگی اور اسرائیلی حملے کے پس منظر میں کی گئیں۔

جورج عبداللہ 2 اپریل 1951 کو لبنان کے شمالی گاؤں قبیات میں ایک مسیحی مارونی خاندان میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی ہی میں وہ عرب قوم پرستی اور فلسطینی مزاحمت کے سرگرم حامی بن گئے۔ انہوں نے ایک فرض شناس لبنانی، ایک باہمت عرب اور ایک ناقابلِ تسخیر انسان کے طور پر زندگی گزاری۔

آج جب وہ آزاد ہوا ہے، تو صرف ایک شخص نہیں، ایک علامت واپس آئی ہے، مزاحمت کی، وفاداری کی اور اس یقین کی کہ جب قومیں اپنے اسیرانِ حق کو یاد رکھتی ہیں تو قید خانے بھی آخر کار دروازے کھول دیتے ہیں۔ جارج عبداللہ اس بات کا بھی زندہ ثبوت ہیں کہ قضیہ فلسطین کا تعلق کسی خاص مذہب سے نہیں ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر آزاد منش، انسانیت نواز، حق گو انسان کے دل کی آواز ہے۔

اسماعیل ہنیہ شہید

شہادت گہہِ الفت کا مسافر

جمعرات، 31 جولائی کو اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کے سیاسی دفتر کے سربراہ اور سابق فلسطینی وزیر اعظم، مجاہد قائد اسماعیل ہنیہ (ابو العبد) کی شہادت کی پہلی برسی منائی گئی۔ اسماعیل ہنیہ کو گزشتہ سال منگل کی صبح، ایران کے دارالحکومت تہران میں صہیونی دشمن نے غداری کے ساتھ ایک سفاکانہ کارروائی میں شہید کر دیا۔ یہ ایک ایسا جرم تھا جس نے امت کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یہ ثابت کیا کہ قابض دشمن مزاحمت کے قائدین کو جہاں کہیں بھی پائے، اُن کے تعاقب سے باز نہیں آتا۔

اس عظیم یاد میں ہم صرف شہید قائد کی تصویر کو نہیں بلاتے، بل کہ اُس مردِ مجاہد کی پوری جدوجہد کو یاد کرتے ہیں جس نے اپنی زندگی فلسطین کے لیے وقف کر دی، اپنی عمر مزاحمت کے لیے جہاد کرتے بسر کی اور شہادت کا رتبہ پایا، اُن کی آواز دشمن کے خلاف گونجی اور اُس کے نقوش امت کے دل میں ثبت ہو گئے۔

ایک زندہ جاوید جدوجہد:

اسماعیل ہنیہ 1963 میں غزہ کے الشاطئ مہاجر کیمپ میں پیدا ہوئے، اور ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جو فقر، صبر اور استقامت سے بھرپور تھا۔ جوانی میں اسلامی اور دعوتی سرگرمیوں میں شامل ہوئے، اور پہلی انتفاضہ کے آغاز سے ہی ایک قائدانہ آواز کے طور پر ابھرے۔ متعدد بار گرفتار کیے گئے، اور 1992 میں مرج الزہور جلاوطن کیے گئے، جہاں اُن کی قیادت نکھری اور سیاسی فہم پختہ ہوا۔

جلاوطنی کے بعد واپس آ کر حماس کی صفوں میں اپنی جدوجہد جاری رکھی، یہاں تک کہ جماعت کی نمایاں سیاسی شخصیات میں شامل ہوئے، پھر سیاسی دفتر کے سربراہ بنے، اور ایک ایسے قائد کے طور پر ابھرے جن کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور تھا۔

قومی اور سیاسی نقوش:

2006ء کے انتخابات میں حماس کی فتح کے بعد وہ فلسطینی حکومت کے سربراہ بنے تو اُنہیں شدید محاصرے اور عالمی بائیکاٹ کا سامنا ہوا۔ لیکن انہوں نے ثابت قدمی دکھائی اور کبھی بھی فلسطینی عوام کے حقوق پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اُن کی آواز دو ٹوک تھی، مؤقف اٹل اور اُن کا یقین تھا کہ صبر کی قیمت سرنگوں ہونے سے کہیں کم ہے۔

انہوں نے تقسیم کے خاتمے اور وحدت کے قیام کی بھرپور کوششیں کیں اور ملکی مفاد کے لیے بڑی قربانیاں دیں، لیکن کبھی بھی مسئلہ فلسطین کے اصولوں پر سودا نہ کیا۔ وہ سیاسی حکمت اور اصولی استقامت کی علامت بنے، اور عالمی سطح پر فلسطینی مزاحمت کی نمائندگی کرتے رہے۔

مثبت روح اور انسان دوست شخصیت:

ہنیہ کی شخصیت کا خاص پہلو اُن کی ہمیشہ چمکتی مسکراہٹ تھی، جو سخت سے سخت حالات میں بھی اُن کے چہرے پر سجی رہتی۔ وہ گفتگو میں سادہ، رویے میں عاجز، اور عوام میں بے تکلف تھے۔ لوگوں کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے، اور کیمپ و بازاروں میں ایک عام انسان کی طرح گھومتے۔

انہوں نے اپنے بیٹوں کو مزاحمت کی راہ پر تربیت دی، اور اُنہیں شہادت کے لیے رخصت کیا، مگر خود صبر، حوصلے اور یقین کے ساتھ کھڑے رہے۔ وہ ہمیشہ امید کی زبان بولتے، اور اطراف والوں کو حوصلہ دیتے، یہاں تک کہ نئی نسل کے لیے ایک مشعلِ راہ بن گئے۔

قابض دشمن اور قتل کی پالیسی:

ہنیہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ صہیونی پالیسی کا ایک واضح اظہار تھا جو مزاحمتی قیادت کو ختم کرنے پر تلی ہے۔ دشمن نے اُسے تہران کے قلب میں ایک پیچیدہ اور بزدلانہ آپریشن میں شہید کیا، بالکل اُسی طرح جیسے اُس نے پہلے شیخ احمد یاسین، رنتیسی، اور شحادۃ جیسے قائدین کو نشانہ بنایا۔

یہ قتل کی پالیسی دشمن کی بے بسی کا ثبوت ہے جو مزاحمت کی بڑھتی قوت سے خائف ہے، اور ایسے قائدین سے ڈرتا ہے جو اس کے وجود کے لیے خطرہ ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ قائدین کا خون مزاحمت کو ماند نہیں کرتا، بلکہ اسے مزید بھڑکاتا ہے۔

طوفان الاقصیٰ میں مرکزی کردار:

شہید ہنیہ "طوفان الاقصیٰ" کے اہم ترین معماروں میں شامل تھے، اور اُنہوں نے 7 اکتوبر کو قابض دشمن کے خلاف عظیم معرکے کا آغاز کرنے والوں میں پہلا اعلان کیا۔ اپنے

پُرسکون لہجے اور واضح پیغام کے ساتھ ابتدائی لمحوں میں وہ سامنے آئے اور فرمایا:

’’یہ فتح کی شروعات ہے...... پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں!‘‘

(ہنیہ کا بیان، 7 اکتوبر 2023)

انہوں نے اس معرکے کی قیادت میں مرکزی کردار ادا کیا، اور عرب و اسلامی دنیا میں سیاسی و سفارتی محاذ پر مزاحمت کے حق میں وسیع حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دشمن نے جان لیا تھا کہ یہ آواز خطرناک ہے، لہٰذا اسے خاموش کرنا ضروری ہے۔

کیمپ سے قیادت تک...... پھر شہادت:

شہید ہنیہ کی کہانی فلسطینی قوم کی مکمل داستان ہے۔ الشاطیٔ کی گلیوں سے لے کر قیادت کے اعلیٰ ترین عہدوں تک، میدانِ جہاد سے لے کر سیاسی فیصلوں کے مراکز تک، وہ ہمیشہ ایک ہی راہ پر گامزن رہے۔ انہیں عہدوں نے مغرور نہ کیا، نہ القابات نے فریب دیا، وہ ہمیشہ اپنے عوام کی فکر میں مبتلا، اُن کی عزت کے لیے کوشاں رہے، آخری لمحے تک۔

وہ چاہتے تو محفوظ جگہوں پر سکون سے زندگی گزار سکتے تھے، لیکن انہوں نے وہی راستہ چُنا جہاں فرض اُنہیں بلا رہا تھا، اور وہ راستہ شہادت کی جانب جاتا تھا۔

شہادت...... انجام نہیں، آغاز ہے:

اسماعیل ہنیہ جسمانی طور پر رخصت ہو گئے، لیکن وہ عوام کی یادوں میں، امت کے دل میں، اور مزاحمت کے پروجیکٹ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ایک قائد شہید ہوا، لیکن اُس کے لگائے ہوئے پودے اتنے گہرے تھے کہ مارے نہیں جاسکتے۔

اُن کے خون نے انقلاب کو ایندھن دیا، اور ثابت قدمی کی علامت بن گیا۔ مزاحمت نے اُن کی شہادت کا جواب انمول بہادری سے دیا، اُن کا پرچم تھامے رکھا، اور یہ ثابت کیا کہ قائدین تو شہید ہوتے ہیں، مگر پرچم کبھی نہیں گرتے، وہ ہاتھوں سے ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ فتح حاصل ہو۔

شہید اسماعیل ہنیہ کے تاریخی قومی اقوال:

اُن کی باتیں دل و دماغ میں نقش ہو چکی ہیں، جو اُن کے یقین، صداقت اور عزم کی آئینہ دار ہیں:

’’مزاحمت ہمارا تزویراتی انتخاب ہے، ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے، قبضے کو تسلیم نہیں کریں گے، اور فلسطین کی ایک ذرے پر بھی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔‘‘

(حماس کے قیام کی سالگرہ 2012 میں خطاب)

’’فلسطین کسی ایک گروہ سے بڑا ہے، اور اختلاف سے زیادہ مقدس۔ قومی وحدت ہی ہماری فتح اور آزادی کی راہ ہے۔‘‘

(2014 میں الشاطیٔ مفاہمتی معاہدے کے بعد بیان)

’’ہم موت سے نہیں ڈرتے، بلکہ ہم راہِ خدا میں شہادت کو چاہتے ہیں۔ شہادت امت کے لیے ایک نیا جنم ہے۔‘‘

(2010 میں غزہ کی مسجد فلسطین میں جمعہ کا خطبہ)

’’جو مزاحمت کی حمایت نہیں کرتا، وہ فلسطین کی حمایت نہیں کرتا۔ یہ سرزمین صرف انتظام سے نہیں، جہاد سے آزاد ہوگی۔‘‘

(2017 میں بیروت میں مزاحمت کی حمایت کانفرنس)

’’یہ فتح کی شروعات ہے...... پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں!‘‘

(7 اکتوبر 2023 کی مبارک صبح کے خطاب سے)

’’ہم موت سے محبت کرتے ہیں جیسے تم زندگی سے محبت کرتے ہو۔ ہم تمہیں خشکی، سمندر اور فضا میں بھی تلاش کریں گے، یہاں تک کہ تم ہماری سرزمین سے نکل جاؤ۔‘‘

(شیخ احمد یاسین کی شہادت کی 15 ویں برسی 2019 میں خطاب)

’’قدس صرف فلسطین کا دارالحکومت نہیں، بلکہ پوری امت کا دل ہے، اور یہ کبھی بھی قابض حکومت کا دارالحکومت نہیں بنے گا۔‘‘

(2017 میں ٹرمپ کے فیصلے پر ردعمل)

’’ہماری لڑائی صرف فلسطین کی نہیں، بل کہ پوری امت کی لڑائی ہے، اور ہمارے بچوں کا خون پوری امت کی ذمہ داری ہے۔‘‘

(2021 میں یومِ نکبہ پر خطاب)

آخر میں:

شہید ہنیہ کی پہلی برسی پر ہم غم نہیں بل کہ عزمِ نو کرتے ہیں۔ ہم اُن کی شہادت کا ماتم نہیں بل کہ اُن کے مشن کو زندہ رکھتے ہیں۔ ہم عہد کی تجدید کرتے ہیں، آواز بلند کرتے ہیں اور اُس راستے پر چلتے ہیں جو قائدِ شہید اسماعیل ہنیہ نے ہمارے لیے چھوڑا...... عزت، استقامت اور مزاحمت کا راستہ...... یہاں تک کہ فتح حاصل ہو۔

براہ راست رپورٹ: اقراء فہد

خون کے عطیات ہار رہے ہیں باہمی تعلق نہیں

ہم اس قابل نہیں رہے کہ اپنے زخمیوں کو خون کا عطیہ بھی دے سکیں۔ ہمارا خون ان بنیادی اجزاء سے محروم ہو چکا جو کسی کی زندگی بچانے کے کام آسکے۔ وہ ناقابل استعمال ہو گیا ہے۔ میرا گھر خان یونس سٹی میں ناصر ہسپتال کے تقریباً پڑوس میں ہے۔ تقریباً آئے روز ہسپتال کا لاؤڈ سپیکر اعلان کرتا ہے: ’’خون دیجئے، خون ختم ہو گیا ہے۔ یہ سلسلہ گزشتہ سال بھر سے یونہی جاری ہے۔

ہر مرکز صحت کی طرح یہ ہسپتال زخمیوں سے بھرا رہتا ہے۔ دن بھر گاڑیاں، گدھا گاڑیاں، ایمبولینسیں زخمیوں کو یوں لاتی ہیں کہ جسے سبزی منڈی میں سبزیاں لائی جاتی ہیں۔ جہاز حملے کرتے رہتے ہیں۔ اب تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ صیہونی ہیں۔ لوگ زخمی ہوتے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہنے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ زخمی فلسطینی ہیں، غزہ کے لوگ ہیں۔ مسلمان ہیں۔

ہسپتال میں زخمیوں کو ان کے زخم ٹھیک کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ہسپتال میں خون ہی دستیاب نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ مئی کے آخر سے یوں ہو رہا ہے کہ زخمیوں کو گولی غزہ خوراک فاؤنڈیشن کے مرکز پر لگتی ہے جہاں وہ خوراک لینے جاتے ہیں۔ اسرائیلی فوجی نشانہ پر لے لیتے ہیں اور بے دریغ فائر کھول دیتے ہیں۔

میں اس سے پہلے بھی خون دے چکا ہوں۔ اس بار بھی اپنا فرض سمجھ کے میں خون دینے چلا گیا۔ یہ ایک مہینہ پہلے کی بات ہے۔ میرے بدن سے جب خون نکالا جا رہا تھا، مجھے غنودگی نے آن لیا۔ مجھے لگا کہ میں بے ہوش ہونے والا ہوں۔ میری وارڈ کی نرس حنان بھی وہاں کام کرتی ہے۔ وہ ہسپتال کے رضا کاروں میں شامل ہے۔ وہ خون کے عطیات جمع کرنے پر ہی مامور ہے۔ وہ میری کیفیت دیکھ کر بھاگی ہوئی آئی۔ اس نے میری ٹانگیں اوپر کو اٹھا دیں تاکہ خون میرے سر کی جانب جانا شروع ہو۔ کچھ دیر بعد میری بے ہوشی کی کیفیت بدلنا شروع ہوئی۔ وہ میرا خون ٹیسٹ کرنے لگی۔ وہ دس منٹ بعد ہی واپس آگئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم خون کی کمی سے دوچار ہو اور تمہاری غذائی کیفیت کمزور ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری خوراک میں ضروری اجزاء کم ہیں۔

حنان نے بتایا کہ تمہارا کیس کوئی الگ یا نیا نہیں ہے۔ اس نے تفصیل سے بتایا کہ ہسپتال خون عطیہ کرنے آنے والوں میں سے اکثر خون کی کمی اور غذاتی قلت موجود ہے۔ اس کی وجہ سیدھی سی ہے کہ اسرائیل کی غزہ میں خوراک کی مسلسل ناکہ بندی نے یہ صورت حال پیدا کر دی ہے۔ اہل ے غزہ کی خوراک میں گوشت، دودھ، انڈے اور پھل شامل نہیں رہے۔ دو تہائی لوگ، جو خون عطیہ کرنے آتے ہیں، ان کا یہی معاملہ ہے۔ وہ خون کی کمی کی بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ ان کے خون میں ہیموگلوبن بہت کم ہے اور وہ آئرن کی کمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان وجوہات سے ان کا خون کسی بھی زخمی کو دیا ہی نہیں جا سکتا۔

خون کے عطیات کے شروع میں لیبارٹری اور بلڈ بنک کی ڈائریکٹر ڈاکٹر صوفیہ صغارب نے میڈیا کو بتایا تھا کہ خون کے عطیات دینے والوں کی کمی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس سے مریضوں کی جانیں خطرے میں ہیں۔ مریضوں کی اکثریت ایسی ہے جسے خون کی فوری ضرورت ہے۔ پورے غزہ میں روزانہ 400 یونٹس خون درکار ہے۔

مغربی کنارے میں وزارت صحت سے رابطہ کے باوجود یہ ہو رہا ہے کہ صیہونی فوج کچھ بھی اور کسی کو بھی غزہ داخلے کی اجازت نہیں دے رہی۔

میری خون خطیہ کرنے کی خواہش بھی ادھوری رہ گئی۔ میں مایوس دل کے ساتھ گھر واپس آگیا۔ مجھے معلوم تھا کہ خوراک کا قحط میری صحت پر منفی اثرات مرتب کر رہا ہے۔ میرا وزن کافی کم ہو گیا تھا۔ تھکن ہر وقت مجھ پر مسلط رہنے لگی تھی، ہڈیوں کے جوڑ تک چٹخنے لگے تھے۔ سر درد اور غنودگی مستقل مجھے گھیرے رہنے لگے تھے۔ میں جب بھی صحافتی ذمہ داریاں ادا کرنے لگتا تو چھوٹے چھوٹے وقفے کرنے لگا تھا۔

لیکن اس خبر نے تو مجھے توڑ ہی دیا تھا کہ میری صحت کی کیفیت خراب ہو رہی ہے۔ اب کئی مہینے ہونے کو آئے ہیں، میں اور میرا خاندان کا گزارا صرف اور صرف پاستہ اور چاولوں پر ہے۔ آٹے کی قیمت حیران کن حد تک بڑھ چکی ہے۔ (ایک خبر کے مطابق غزہ میں ایک کلو آٹے کی قیمت 100 شیکل ہو چکی۔ کمیشن کے 50 شیکل الگ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح 150 شیکل میں ایک کلو آٹا ملتا ہے۔ یہ پاکستانی کرنسی میں 7 ہزار روپوں سے زیادہ رقم بن جاتی ہے)۔

ہم سارے دن میں ایک وقت کھانا کھاتے ہیں۔ وہ بھی کسی وقت آدھا کھانا ملتا ہے تاکہ چھوٹی عمر کے بچوں کو ایک کھانا پورا مل سکے۔ مجھے یہ فکر بھی کھائے جا رہی ہے کہ ان کی غذائی ضرورت کا کیا بنے گا؟ ان کے وزن بھی گر رہے ہیں۔ وہ بار بار کھانے کو مانگتے ہیں۔

جب سے اسرائیل نے ناکہ بندی مزید سخت کر دی ہے، ہم نے گوشت، انڈے یا دودھ کی بنی کوئی چیز مہینوں سے نہیں دیکھی ہے۔ چھوٹے بچوں کی روزانہ اموات ہو رہی ہیں۔ صرف مئی کے مہینے میں یونیسف کی رپورٹ کے مطابق 5000 بچے خوراک میں غذائیت کی کمی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے ساتھ لائے گئے۔ اگر ان میں سے چند بچے معجزانہ طور پر بچ بھی جائیں، وہ صحت مند بچوں کی طرح بڑے نہیں ہو سکیں گے۔

ہمارے علاقائی رشتوں میں پڑنے والی دڑاریں تو شاید بھر جائیں، صحت کی ضمانت کون دے گا؟ اس سب کے باوجود دنیا کو اچھی طرح علم ہے کہ ہم اہل غزہ نہ ٹوٹے ہیں، نہ ٹوٹیں گے۔ (ان شاء اللہ)

تحریف شدہ تورات
آزمانے کا حربہ: سجود ملحمی
مسجد اقصیٰ پر قبضے کی منظم سازش کا نیا مرحلہ

آج ایک اور خطرناک منظر القدس کے دل میں بیت المقدس کی فضا کو چیرتا ہوا نظر آیا:
جب صہیونی آبادکاروں نے مسجد اقصیٰ کی حدود میں داخل ہو کر اسرائیلی فوج کی مکمل سرپرستی میں زمین پر لیٹ کرادا کیا ''ملحماتی سجدہ'' جو کہ یہودی مذہبی تہوار کے نام پر کی جانے والی کھلی اشتعال انگیزی ہے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں، یہ منظم سازش ہے!

یہودیوں کے اس نام نہاد مذہبی عمل کے پیچھے درحقیقت ایک طویل المیعاد صہیونی منصوبہ کارفرما ہے جس کا مقصد صرف عبادت نہیں بلکہ:
مسجد اقصیٰ کا تقدس پامال کرنا، مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنا اور اس مبارک مقام کو یہودی ''مذہبی شناخت'' میں شامل کرنے کی راہ ہموار کرنا ہے۔

ملحماتی سجدہ کیا ہے؟

یہ ایک توراتی رسوماتی عمل ہے، جس میں زمین پر مکمل انکساری سے لیٹ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ اسے صہیونی شدت پسند آج مسجد اقصیٰ میں اس لیے انجام دے رہے ہیں کہ دنیا کو یہ پیغام دیا جا سکے: ''یہ جگہ ہماری ہے، ہم یہاں اپنی عبادات کریں گے، چاہے مسلمانوں کو کتنا ہی دکھ کیوں نہ ہو۔''

یاد رہے کہ موجودہ تورات اصلی نہیں، بل کہ تحریف شدہ ہے جس میں بہت سی باتیں ازخود داخل کی گئی تھیں۔ یہ ملحماتی سجود بھی سیاسی تحریف کا نتیجہ ہے۔

صہیونی ایجنڈے کی اصل شکل

1. مرحلہ وار قبضہ:

صہیونی قوتیں جانتی ہیں کہ وہ ایک دن میں اقصیٰ پر مکمل قبضہ نہیں جما سکتیں۔ اس لیے وہ آہستہ آہستہ، رسومات، سجدوں، عبادات، اور قانون سازی کے ذریعے مسجد کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔

2. نفسیاتی جنگ:

یہ سجدہ اصل میں ایک نفسیاتی حملہ ہے۔ مسلمان اسے دیکھ کر غصے میں آئیں، ردعمل دیں، اور پھر انہی کو دہشتگرد کہہ کر ان کے خلاف کارروائیاں کی جائیں۔

3. مذہبی شدت پسندی کو ریاستی تحفظ:

حیرت انگیز طور پر یہ سب کچھ ''ریاست اسرائیل'' کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ مسجد میں داخلے، سجدے، جھنڈے، نعرے سب کچھ مکمل عسکری تحفظ میں۔

یہ خطرے کی گھنٹی ہے، بیدار ہو جاؤ!

یہ صرف مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی نہیں، بلکہ ایک منظم اور مستقل منصوبہ ہے کہ مسلمانوں کے قبلۂ اول کو ان کے ہاتھوں سے چھین لیا جائے۔

یہ وہی سازش ہے جس کا آغاز 1967ء میں القدس پر قبضے سے ہوا، اور اب مسجد اقصیٰ کی مکمل یہودکاری (Judaization) کے ذریعے انجام کو پہنچائی جا رہی ہے۔

امت مسلمہ سے سوال!

کب تک ہم اقصیٰ کی حرمت پر ایسے حملے خاموشی سے برداشت کرتے رہیں گے؟
کیا ہم اپنے قبلۂ اول کی بے حرمتی کو محض خبروں میں دیکھ کر نظر انداز کرتے رہیں گے؟
اگر آج یہ سجدہ، کل قربانی، پھر ہیکل کی تعمیر تو ہم کب جاگیں گے؟
یاد رکھو! مسجد اقصیٰ صرف فلسطینیوں کا مسئلہ نہیں، یہ ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔
اس پر حملہ، ہمارے دل پر حملہ ہے۔

ٹرمپ/ نیتن یاہو
گٹھ جوڑ
غزہ میں نسل کشی
کا سلسلہ جاری

اسرائیلی سفاکیت
غزہ کے بچے
بھوکا مر رہے ہیں